

معارفِ الحدیث

جلد اول

اس حدیث جہنمی کا ایک جمیر نور جہنم
آزاد تریر نور تشریفات کے ساتھ

میرزا غلام احمد

دارالافتاء
لاہور



معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جمید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد دوم

کتابُ التَّوْفِاقِ، کتابُ الاخلاق

تالیف
مولانا محمد منظور نعمانی

لاؤ بازار اہل علم کے لئے جنرل روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

دَارُ الْإِشَاعَةِ

جملہ حقوق ملکیت برائے پاکستان بچن "خلیل اشرف عثمانی" دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مصنف سے جو دہائی حقوق اشاعت پہلے حاصل تھے اب انکے ورغاً سے پاکستان کے لئے "جملہ حقوق ملکیت" مع اپنے تمام حقوق سے خلیل اشرف عثمانی کے حق میں دستبرداری کا معاہدہ عمل میں آیا ہے۔ اس کی اطلاع رجسٹریشن کاپی رائٹ رجسٹرار کے ہاں عمل میں آچکی ہے۔ لہذا کوئی شخص یا ادارہ اس کی غیر قانونی اشاعت و فروخت میں منہٹ چاہے تو بغیر پیشی اطلاع کے قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ ناشر

طباعت کمپیوٹرائزیشن: اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام
خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
پرلنس
علی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حق الوصل کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہے ہیں۔ مگر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلق فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ف شے ہے

ادارہ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارہ اسلامیات ۱۹۰-۱۲۱ رگبی لائیو
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20 بھدر روڈ لاہور
بیت العلم و ادب اعلیٰ اشرف المدارس گلشن اقبال جاکم کراچی	کتبہ سید احمد شہید اردو بازار ۲۰
بیت الکتب و ادب اعلیٰ اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونین کتب خانہ کبھی خیر بازار پٹنہ
کتبہ اسلامیات پور بازار۔ فیصل آباد	کتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبہ المعارف محلہ جلی۔ پٹنہ	کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ رجب بازار راولپنڈی

بیت الکتب و ادب اعلیٰ اشرف المدارس

ISLAMIC BOOKS CENTRE
10121 LAUREATE ROAD
BOSTON, MA 02121 U.S.A

AZHAR ACADEMY LTD.
5468 LITTLE CLIFTON AVENUE
MANOR PARK, LONDON E14 3QA

بیت الکتب و ادب اعلیٰ اشرف المدارس

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
1875 SOUTH STREET
RICHMOND, CA 94804 U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6965 DENVER DRIVE
DALLAS, TX 75248 U.S.A

فہرست مضامین

۱۱	۱	دیباچہ (از مولف)
۱۳	۲	مقدمہ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
۲۳	۳	”کتاب الرقاق“
۲۵	۴	خوف خدا اور فکر آخرت
۲۶	۵	اگر عالم غیب ہم پر منکشف ہو جائے تو ہمارا کیا حال ہو؟
۲۷	۶	غفلت کو دور کرنے کے لئے موت کو زیادہ یاد کرو
۳۰	۷	خوف خدا اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں
۳۱	۸	موت اور آخرت کی تیاری کرنے والے ہی ہوشیار اور دور اندیش ہیں
۳۲	۹	نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے
۳۳	۱۰	قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی اپنی عبادت کو بیچ سبھے گا
۳۴	۱۱	قیامت کے دن معمولی سبھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی
۳۴	۱۲	گناہوں کے انجام سے ڈرنے والوں اور خدا کی رحمت کی امید رکھنے والوں پر خدا کا خاص فضل ہوگا
۳۵	۱۳	جس کے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف ہو اوہ درخ سے نکال لیا جائے گا
۳۵	۱۴	اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت
۳۶	۱۵	اللہ کے خوف سے جسم کے رو گئے کھڑے ہو جانے کی سعادت
۳۷	۱۶	ایک گناہگار نے خوف خدا سے مغلوب ہو کر ایک بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا
۳۸	۱۷	خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت کا معیار ہے
۳۹	۱۸	خوف و خشیت اور فکر آخرت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا حال
۴۴	۱۹	دنیا کی حقیر اور مذمت
۴۵	۲۰	تمہید: دنیا کی بے وقعتی اور حقیر کے بارے میں ایمانی مسلمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اصولی گفتگو
۴۸	۲۱	آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت
۴۹	۲۲	دنیا مومن کا جیل خانہ اور کافر کی بہشت
۴۹	۲۳	مشہور حدیث: ”الدنیا جہنم المومن و جہنم الکافر“ کا صحیح مطلب اور اس کا تقاضا
۵۰	۲۴	دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی اسلئے آخرت کے طالب بنو
۵۱	۲۵	اللہ سے تعلق کے بغیر دنیا قابل لعنت ہے
۵۱	۲۶	طالب دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا
۵۲	۲۷	اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بجاتا ہے
۵۲	۲۸	اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھو
۵۳	۲۹	دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ)

- ۵۴ ۳۰ اسی موضوع پر آپؐ کا ایک اور خطبہ
- ۵۵ ۳۱ امت میں دولت کی افراط کا خطرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں
- ۵۵ ۳۲ اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے
- ۵۶ ۳۳ حب مال اور حب جادوین کے لئے قاتل ہیں
- ۵۶ ۳۴ دنیا اور دولت کی محبت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے
- ۵۷ ۳۵ دولت میں اضافہ کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی
- ۵۸ ۳۶ طالب آخرت کا دل مطمئن رہتا ہے اور طالب دنیا کا پر آئندہ اور غیر مطمئن
- ۵۸ ۳۷ دولت میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے
- ۶۰ ۳۸ دولت کے پرستار خدا کی رحمت سے محروم
- ۶۰ ۳۹ حضورؐ کا ارشاد کہ ”مجھے سوداگری اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور اس کا مطلب
- ۶۱ ۴۰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش اور آپؐ کی فقر پسندی
- ۶۱ ۴۱ سب سے زیادہ قابل رشک بندہ
- ۶۲ ۴۲ خوشحالی چاہنے والی بیوی کو ابو الدرداءؓ کا جواب
- ۶۳ ۴۳ موت اور افلاس میں خیر کا پہلو
- ۶۳ ۴۴ عقیف اور عیالدار بندہ اللہ کا محبوب
- ۶۴ ۴۵ اپنی فاقہ زدگی اور محتاجی چھپانے والے بندے سے اللہ کا وعدہ
- ۶۴ ۴۶ زہد اور اسکے ثمرات و برکات
- ۶۴ ۴۷ زہد اختیار کرو، اللہ کے اور بندوں کے محبوب بن جاؤ گے
- ۶۵ ۴۸ زہدوں کی صحبت میں رہا کرو
- ۶۶ ۴۹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زہد بندوں کو نقد صلہ
- ۶۷ ۵۰ خاصان خدا بخش و تتمم کی زندگی نہیں گزارتے
- ۶۷ ۵۱ جب کسی بندے کو ”شرح صدر“ کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو اسکی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت غالب اور نمایاں ہو جاتی ہے
- ۶۸ ۵۲ اس امت کی اصلاح کی بنیاد یقین اور زہد ہے
- ۶۹ ۵۳ زہد کیا ہے اور کیا نہیں
- ۷۰ ۵۴ زہد نبوی
- ۷۰ ۵۵ اپنے اور اپنے خاص متعلقین کے لئے حضورؐ کی فقر پسندی
- ۷۱ ۵۶ حضورؐ کی زندگی میں آپؐ کے گھر والوں نے کبھی دودن متواتر جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا
- ۷۲ ۵۷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اٹھائیں
- ۷۲ ۵۸ دودھ پیئے رز جاتے تھے اور آپؐ کے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی
- ۷۳ ۵۹ آپؐ اور آپؐ کے گھر والوں کے مسلسل فاقہ

- ۶۰ جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زہرہ ایک یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوئی تھی
- ۶۱ مسلمانوں کے ہوتے ہوئے کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت
- ۶۲ خوشحالی کیلئے دعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ کا جواب
- ۶۳ آپ کا ارشاد: ”میں اس دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو سایہ لینے کیلئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو
- ۶۴ دولت اگر صلاح و تقویٰ کے ساتھ ہو تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے
- ۶۵ نیک مقاصد کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت
- ۶۶ معصیت کی زندگی کے ساتھ اگر کسی کو دنیا میں نعمت مل رہی ہے تو یہ اس درجہ
- ۶۷ کافروں فاجروں کی خوشحالی پر رشک نہ کرو
- ۶۸ کسی کی ظاہری خست حالی اور غربت کی وجہ سے اسکو حقیر نہ سمجھو
- ۶۹ بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ انکی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے
- ۷۰ اپنے سے کم درجے والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو
- ۷۱ اگر حسن عمل کی توفیق ہو تو زندگی بڑی نعمت ہے
- ۷۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع نصیحتیں اور اہم وصیتیں
- ۷۳ (اس عنوان کے تحت ص ۱۰۵ سے ص ۱۲۵ تک ۱۶ حدیثیں ہیں بر حدیث ایک مستقل موعظہ اور موعظہ خطبہ ہے
- ۷۴ کتاب الاخلاق
- ۷۵ دین میں اخلاق کا درجہ
- ۷۶ خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت
- ۷۷ اچھے اخلاق اور برے اخلاق
- ۷۸ رحمہاں وہی رحیمی
- ۷۹ دوسروں پر رحم کھانے والے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں
- ۸۰ ایک شخص پیاسے کے کتے کو پانی پلانے پر ہی بخش دیا گیا
- ۸۱ اپنے پالے ہوئے جانوروں کے چارے پانی کی خبر گیری کا حکم اور انہیں تکلیف دینے کی ممانعت
- ۸۲ چیزوں اور چیزوں تک کو ستانے کی ممانعت
- ۸۳ بلی کو باندھ کے بھوکا مار ڈالنے والی ایک سنگدل عورت دوزخ میں گئی
- ۸۴ کسی بد بخت ہی کا دل رحم کے مادہ سے خالی ہوتا ہے
- ۸۵ دل کی قساوت اور سختی کا علاج
- ۸۶ سخاوت اور بخل
- ۸۷ انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا
- ۸۸ اللہ کو سب سے زیادہ عزیز وہ بندہ ہے جو بدلے لینے اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے

- ۸۹ خادم اور نوکر کو معافی دو، اگرچہ وہ ایک دن میں ستر دفعہ قصور کرے ۱۲۱
- ۹۰ احسان ۱۲۲
- ۹۱ اللہ کو سب سے پیارا وہ بندہ ہے جو اُس کی حقوق کے ساتھ احسان کرے ۱۲۲
- ۹۲ (ف) اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی بڑے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں ۱۲۲
- ۹۳ صرف احسان کرنے والوں کے ساتھ ہی احسان نہ کرو ۱۲۳
- ۹۴ چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے ۱۲۴
- ۹۵ ایثار (ایثار کی حقیقت) ۱۲۴
- ۹۶ رسول اللہ ﷺ کے ایثار کی ایک مثال ۱۲۴
- ۹۷ ایک صحابی (ابو طلحہ) اور اُن کے گھر والوں کے ایثار کا ایک سبق آموز واقعہ، اور اُس پر رسول اللہ ﷺ کی بشارت ۱۲۴
- ۹۸ انس و محبت اور بیگانگی و عداوت ۱۲۷
- ۹۹ مؤمن کو الفت و محبت کا مرکز ہونا چاہئے ۱۲۸
- ۱۰۰ اللہ کیلئے محبت اور اللہ ہی کیلئے بغض و عداوت ۱۲۸
- ۱۰۱ اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے ۱۲۸
- ۱۰۲ اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں ۱۲۹
- ۱۰۳ صرف اللہ کے تعلق سے اُس کے ایک بندے کی زیارت کو جانے والے شخص سے فرشتہ کی ملاقات اور اللہ کی محبت کی بشارت ۱۲۹
- ۱۰۴ اللہ کیلئے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز ۱۳۰
- ۱۰۵ اللہ کیلئے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ۱۳۲
- ۱۰۶ محبت ذریعہ قرب و معیت ۱۳۲
- ۱۰۷ محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب ۱۳۳
- ۱۰۸ محبت کیلئے اخاعت لازم ۱۳۴
- ۱۰۹ دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی ۱۳۵
- ۱۱۰ مسلمانوں میں باہم کیسی محبت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے ۱۳۶
- ۱۱۱ باہم نفرت و عداوت، بغض و حسد اور بدگمانی و شہادت کی ممانعت ۱۳۷
- ۱۱۲ اہل ایمان کو ستانے والوں اور سوا کرنے والوں کو سخت تنبیہ ۱۳۸
- ۱۱۳ حسد کے بارہ میں خاص انتباہ ۱۳۹
- ۱۱۴ بغض و کینہ کی نحوست ۱۴۱
- ۱۱۵ شہادت کی سزا ۱۴۱

۱۳۲	نرم مزاجی اور درشت خوئی	۱۱۶
۱۳۵	رسول اللہ ﷺ کی نرم مزاجی	۱۱۷
۱۳۵	حلم و بردباری، یعنی غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا	۱۱۸
۱۳۶	غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے	۱۱۹
۱۳۷	غصہ کے وقت کیا کیا جائے	۱۲۰
۱۳۸	اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اُس کا صلہ	۱۲۱
۱۳۹	حلم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے	۱۲۲
۱۵۰	اطمینان و متانت سے کام کرنے کی فضیلت اور جلد بازی کی ممانعت	۱۲۳
۱۵۱	میانہ روی	۱۲۴
۱۵۱	خوش کلامی اور بد زبانی	۱۲۵
۱۵۳	کم بولنا اور بُری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا	۱۲۶
۱۶۰	ترک مالا یعنی	۱۲۷
۱۶۰	پچھلخوری	۱۲۸
۱۶۲	غیبت اور بہتان	۱۲۹
۱۶۳	دورُ خے پن کی ممانعت	۱۳۰
۱۶۷	صدق و امانت اور کذب و خیانت	۱۳۱
۱۶۹	تجارت میں صدق و امانت	۱۳۲
۱۶۹	جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں	۱۳۳
۱۷۰	جھوٹ کی گندگی اور سزا بہند	۱۳۴
۱۷۰	جو تمہیں سچا سمجھے اُس سے جھوٹ بولنا بڑی سخت خیانت ہے	۱۳۵
۱۷۰	جھوٹی گواہی	۱۳۶
۱۷۳	جھوٹی قسم	۱۳۷
۱۷۳	جھوٹ کی بعض خفی قسمیں	۱۳۸
۱۷۳	خیانت کی بعض خفی قسمیں	۱۳۹
۱۷۶	اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کیلئے اپنی طرف سے کچھ کہہ دینا جھوٹ نہیں	۱۴۰
۱۷۶	ایقام و عہدہ اور وعدہ خلافی	۱۴۱
۱۷۹	تواضع و خاکساری اور غرور و تکبر	۱۴۲
۱۸۲	شرم و حیا	۱۴۳
۱۸۲	حیا کی خاص اہمیت اور اس کے معنی کی وسعت	۱۴۴
۱۸۶	قناعت و استغناء اور حرص و طمع	۱۴۵
۱۸۷	اصل دولت مند کی دولت مندی ہے	۱۴۶

- ۱۳۷ صبر و قناعت اللہ کی وسیع ترین اور عظیم ترین نعمت ہے
- ۱۳۸ دولت کی حرص کے بارے میں حکیم بن جزام کو حضورؐ کی نصیحت اور ان پر اس کا مثالی اثر
- ۱۳۹ حرص و طمع کی تباہ کاریوں اور بد انجامیوں کے متعلق انتباہ
- ۱۵۰ حرص انسان کی بدترین خصلتوں میں سے ہے
- ۱۵۱ صبر و شکر
- ۱۵۲ سچے مومن کیلئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، نعمت پر شکر کرے تو خیر ہے، مصیبت پر صبر کرے تو خیر ہے
- ۱۹۱ شروع صدمہ میں صبر کرنے والے کو رحمت کی بشارت
- ۱۹۲ جو اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اس کیسے بخشش کا وعدہ ہے
- ۱۹۳ ایک نواسہ کی وفات پر رسول اللہؐ کی طرف سے اپنی صاحبزادی کو صبر کی تلقین
- ۱۹۴ آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں بلکہ رحمت ہے
- ۱۹۵ معاذ بن جبلؓ کے صاحبزادے کے انتقال پر ان کے نام حضورؐ کا نہایت مؤثر اور ایمان آفریں تعزیت نامہ
- ۱۹۶ امت محمدیؐ کے صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خاص عطا ہے
- ۱۹۷ توکل اور رضا بالقضا
- ۱۹۸ توکل کی حقیقت
- ۱۹۹ رضا بالقضا کا مطلب
- ۲۰۰ رسول اللہؐ کی وصیت کہ اپنی ضرورتوں کیسے صرف اللہ پر نظر رکھو اور اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرو
- ۲۰۱ ایک صحابی اور ان کی بیوی نے سخت حاجتمندی کے وقت اللہ تعالیٰ سے رزق کی دعا کی اور ان کو اسی وقت خزانہ غیب سے رزق ملا
- ۲۰۲ اللہ کے فیصلوں پر دل سے راضی رہنا بندے کی سعادت و خوش نصیبی ہے، اور تاراض رہنا شقاوت و بد بختی ہے
- ۲۰۳ اخلاص و للہیت اور نام و نمود
- ۲۰۴ اخلاص کی حقیقت اور اس کی اہمیت
- ۲۰۵ اخلاص کی برکت اور تاثیر و طاقت (غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا واقعہ)
- ۲۰۶ ریا ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے
- ۲۰۷ جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوئی وہ قبول نہ ہوگا
- ۲۰۸ ریاکاروں کو فضیلت و سوائی کی سزا
- ۲۰۹ دین کے نام پر دنیا کا منانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

- ۱۷۳ ریاکار عالموں اور عابدوں کو سخت ترین عذاب
۲۱۳ قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار نخی کے بارے میں ہوگا
- ۱۷۵ اعمال صالحہ کی وجہ سے دنیا میں خود بخود اچھی شہرت ہو جاتا، اور اس کی وجہ سے لوگوں کا محبت و عزت کرنا
۲۱۵ کوئی بری بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے
۲۱۶ تمت

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

”عارف اللہ“ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری جلد اب ۱۳۷۶ھ کے اواخر میں شائع ہو رہی ہے۔ پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ایک سو چالیس حدیثوں کی شرح ہو چکی ہے۔ اس دوسری جلد میں جو ”کتاب الرقاق“ اور کتاب الاخلاق پر مشتمل ہے۔ دو سو ساٹھ حدیثوں کی شرح کی گئی ہے۔

ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ اُن حدیثوں کے بعد جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرۃ سے ہے دینی و روحانی تربیت اور تعمیر سیرت میں سب سے زیادہ مؤثر وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کو حضرات محدثین اپنی کتابوں سے ابواب رقاق اور ابواب اخلاق میں درج کرتے ہیں، اسی بناء پر اس ناچیز نے اس دوسری جلد میں انہی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

اس جلد میں سو حدیثیں سلسلہ رقاق کی ہیں اور باقی ایک سو ساٹھ سلسلہ اخلاق کی۔ رقاق سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات، وہ خطبات و مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت و خشیت اور گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی وقعت نظر میں کم ہوتی آخرت کی فکر بڑھتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ایک مومن کا صحیح نظر اور نصب العین کیا ہونا چاہئے اور کس طرح یہاں اس کو زندگی بسر کرنی چاہئے، کن چیزوں سے دل لگانا چاہئے اور کن چیزوں کی طرف سے دل اور نگاہ کو ہٹانا چاہئے۔

انسانی وجود میں سب سے اہم اور اصل کار فرما وہ عنصر یا وہ قوت ہے جس کو قلب یا دل کہا جاتا ہے اس کا رخ اگر صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی صحیح رخ پر چلتی ہے اور اس کا رخ غلط ہو جائے تو پوری زندگی غلط ہو جاتی ہے۔ رقاق کی حدیثوں کا خاص موضوع اور خاص کام یہی ہے کہ وہ دل کے رخ کو صحیح کرتی ہیں اور دل کا رخ صحیح ہو جانے کے بعد ہی وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر انسان خلیفہ اللہ بنتا ہے۔ اور جن کا انسانی معاشرہ میں مکمل طور سے پیدا کرنا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا اہم مقصد بتلایا ہے۔ (الناس بعث لاسمہ مکرمہ الاخلاق) بہر حال ناچیز نے اپنے اسی خیال کی بناء پر اس دوسری جلد میں ”رقاق“ اور ”اخلاق“ کی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

۵ میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ میرے ذریعہ مکارم اخلاق کی تکمیل ہو۔ کنز العمال ۵ ج ۲

پہلی جلد کی طرح اس دوسری جلد کی حدیثیں بھی عموماً مشکوٰۃ المصابیح ہی سے لی گئی ہیں، چند حدیثیں جمع الفوائد سے بھی لی گئی ہیں اور ان کی تخریج میں انہی دونوں کتابوں کے مؤلفین پر اعتماد کیا گیا ہے، صرف دو چار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحیح کی ان ہی کتابوں سے لی گئی ہیں جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

جو حدیثیں بخاری و مسلم کی لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف ان ہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا اس کے صحیح اور مقبول ہونے کی ضمانت کیلئے کافی ہے۔

احادیث کی ترتیب، ترجمہ و تفسیر اور عنوانات میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے، اسلئے اب یہاں انکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس دوسری جلد پر مقدمہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے جس میں انہوں نے حدیث و سنت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے ایک نئی راہ کھولی ہے، امید ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقل سلیم کی دولت سے بالکل محروم نہ کر دیئے گئے ہوں گے، اُن کو مقدمہ کے ان چند صفحات ہی کے مطالعہ سے یہ یقین انشاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ حدیث و سنت کی محفوظیت کا انکار اور اسکے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔

اپنے باتو فیق ناظرین سے آخری گندارش یا وصیت

پہلی جلد کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ حدیث نبوی کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور اقدس ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سُن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہِ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری کلمہ، اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اُس سے حُسنِ توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اسکے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی

منشاء اللہ عنہ

ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

مقدمہ

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں وہاں صراحتاً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۱) تلاوت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ نفوس۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ اِنْ کَانَوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔
(الجمعة ۶۲: ۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا، جو ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔
(البقرہ ۱: ۱۵۱)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

در حقیقت بعثت محمدی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی، محمد رسول اللہ ﷺ نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبہ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبہ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، حسن سلوک و ہمدردی، برو و مواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ بے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابہ کرامؓ کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت ﷺ کی بعثت و رسالت و تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہو گا کہ اس بحیر العقل انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

(۱) رسول اللہ - کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت و اخلاق۔ (۲) قرآن مجید

(۳) آپ کے ارشادات و ہدایات، مواظظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے، صحابہ کرامؓ اور ان کے صحیح جانفینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ تہمتاوات کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات، اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے "اقامت صلوة" کا حکم پایا تھا اور "الذین ھم فی صلوتہم خاشعون" کی تعریف بھی سنی تھی، مگر انہوں نے اسکی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی، جس کو انہوں نے "تسبیح لہ اذینا کاذبہ المرسل" (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مؤمن کا ایک محبوب فعل ہے لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے "فرڈ عسی فی الصلوة" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور اجنبائے شوق و اضطراب کے ساتھ "ارحسی یا بلال" (بلال! اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا انکو نماز کیساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا، اسی طرح جب تک انہوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں "وقلہ فعلق فی السجد حتی یعود الید" (ان کا دل مسجد میں اٹکار جاتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے، انکو مسجد اور قلب مؤمن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا، انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی، وعادہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع و ابتهال (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اسکی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ "اللھم انشدک عہدک و وعدک اللھم ان شئت لہ نعبد" (اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ اگر تو چاہے) (اس مٹھی بھر

جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جاسکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا ”حَسْبُكَ“ (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و رماندگی کا اظہار اور جس دعائیں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہوا اسی قدر وہ دعا قیقتی ہے، لیکن بندگی اور عجز و رماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا۔

اللَّهُمَّ اَنْتَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَى مَكَانِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِي لَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِي وَ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَطِيرُّ الْمُسْتَغِيرُ الْوَجِلُ الْمَشْفُقُ الْمَقْرُ الْمَعْرُوفُ الْبَلِيغُ، اَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمَسْكِينِ وَ اِهْتَلِ بِكَ اِهْتِهَالِ الْمَلْبِ الْمَذَلِيلِ وَادْعُكَ دَعَاءَ الْخَالَفِ الضَّرِيرِ وَدَعَاءَ مَنْ خَضَعْتَ لَكَ رَقَبَةً وَفَاضَتْ لَكَ عَيْرَتُهُ وَ ذَلْ لَكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ الْاَلَهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بِدَعَائِكَ شَقِيًّا وَكُنْ لِي رَوْفًا رَحِيمًا. يا خَيْرَ الْمُسْتَوَلِينَ وَ يا خَيْرَ الْمُعْطِينَ۔^①

اے اللہ! تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں، جیسے نیکیس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے) اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوفزدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور اسکے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروختی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا۔ اور ”مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيٰوةُ“ (دنیا کی زندگی محض کھیل و تماشہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اسکی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور ”الْمُتَّقِينَ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ“ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔^② اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو انکے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر

① کنز العمال عن ابن عباس۔

② ملاحظہ ہو معارف الحدیث حصہ دوم حصہ کتاب الرقاق زیر عنوان ”تقویٰ“ ص ۱۰۰۔

وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں انکی تطبیق، نیز صحیح عمل انکو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کزوروں، غورتوں، بچوں، تیمیوں، غریبوں، یوزھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب، اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات و وصیتیں اور ارشادات سنے، انکو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر اسکی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنازہ، تشییت عاٹس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے، مگر کتنے معصمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بلع بلع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبوی "ان من ابر البر بر الرجل اهل و ذابیه بعد ان یولی" (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد انکے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہنچ سکتے۔ جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔ "و رابسا ذبح الشاة ثم یقطعها اعضاء ثم یغنیها فی صدائق خدیجہ" (اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے، پھر وہ کٹڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)۔

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے، مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت، اسکی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتمم بالشان، واقع و مؤثر بنائیں، اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہو گا وہ فضا و ماحول تیار ہو گا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے

جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم و حدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے، مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اسکے راستے میں بڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعاء، مسجد میں داخل ہونے کا دُوب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راحیہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان و اقامت کا ثواب لامتناہی کی فضیلت و منصب اور اسکے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی بہتم بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور اتاب و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے، اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اسکے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے، صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرود و منقطع کر لیا جائے اور انکو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جواب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو انکی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و اتاب و توجہ الی اللہ کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

در حقیقت رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) کو ان کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہو تا ہے، دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں، وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفرین کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشوونما و ترقی حاصل کرتے اور ملایہ و الحاد کے حلقوں سے محفوظ رہتے، انہوں نے بالآخر اسکی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب ”بیران طریقت“ و ”واقعات و ملفوظات سے پُر کیا، مگر اس ”خاند پرستی“ نے رفتہ رفتہ مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تمہی دامنی

اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے^①۔ اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گزاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کیلئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعۃً اس ماحول میں پہنچ جائے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس موجود ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ مصروفِ تکلم اور صحابہ کرامؓ گوش بر آواز ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک درپچ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ کے جمودی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعاء مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جاسکتا ہے پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو آشکار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں جنکی آنکھوں نے کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا جنہوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا رو خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چرغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔ پھر اس ماحول میں صرف کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے دنوں کی پیش آنکی شبوں کا گداز، انکی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، انکی بے نفسی و للہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے، ان کا انقیاد کامل اور انکی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں، یہاں ابطلہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور حضرت کعب بن مالک کے غزوہ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے، غرض یہ ایک ایسا طبیعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کیساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا۔ اسلام کا اعجاز اور اس کا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اسکی شریک و سہیم نہیں، ایک ایسا مذہب جس کو

① تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”خطبات مہربان“ خطبہ تاریخی۔

قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے، تدوین حدیث کی تاریخ پانچ سو سال پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے، صحابہ کرامؓ کا عہد نبویؐ ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران، خراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمنہ را کا امنڈ آنا، اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف انکا غیر معمولی حافظہ، انکا عزم و عالی ہمت، پھر اسماء رجا و فن و روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکہ راسخ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر انکا انہماک و خود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اسکی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت^۱ یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس ”صحیفہ زندگی“ کو محفوظ کرنا مقصود تھا، اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرامؓ کو برہور است حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں ”توارث“ کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہؓ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقے سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہو تا رہا اور امت کے طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ ”مزاج و مذاق“ یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرامؓ کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع احتساب نفس، وہی شوق آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبویؐ سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے اور سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمنؒ مراد آبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پر تو صاف نظر آتا ہے اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اسکے ذریعہ سے عہد صحابہؓ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسوم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیات پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سر تاپا مادیات، انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اسکے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کیلئے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس

۱ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی فاضلانہ تصنیف ”تدوین حدیث“ شائع کردہ مجلس علمی کراچی ۱۲۔

سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتدائی اور شک وارتباب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے ”محروم الارث“، منقطع الاصل اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذہب کو کر دیا، اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ پھر اس ”مزاج و مذاق“ کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہو سکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث، کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چلتا روزنامہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات ایسی ہوئی ہیں۔

ہندوستان میں ہر دور میں قرآن مجید کے ترجمہ کے ساتھ حدیث کے ترجمہ اور اسکی ترتیب و اشاعت کا کام جاری رہا، جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کا فارسی میں ترجمہ و تشریح کی جو بعد المبعث کے نام سے چھپا ہوا ہے، فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد غالباً سب سے پہلے مولانا خرم علی صاحب بلہوری (۱۲۷۱ھ) نے امام صفائی کی مشہور کتاب مشارق الانوار کا ترجمہ مع تشریح اردو میں تحفۃ الاخیار کے نام سے کیا اس کے معابد خاندان ولی المسمی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خاں (۱۲۸۹ھ) نے مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح کے ساتھ مظاہر حق کے نام سے لکھا جو اپنی تحقیق، ترجمہ کی پختگی اور صحت اور اپنے مصنف کے اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اس دور کے ختم ہو جانے کے بعد اردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے جن میں مولانا محمد ابراہیم صاحب آردی کا مجموعہ ”طریق النجاة“ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ہمارے اس زمانے میں اردو میں حدیث کی خدمت کا ایک کام اعلیٰ معیار اور وسیع پیمانے پر مولانا بدر عالم صاحب کر رہے ہیں، انکی زیر تالیف ”کتاب السنۃ“ کی تین جلدیں تیار ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ہماری نظر میں یہ اس سلسلہ کی ایسی فضلانہ کتاب ہے کہ علماء اور اصحاب درس بھی اُس سے استفادہ کر سکیں، لیکن اردو میں حدیث کی قدیم و جدید ان سب خدمتوں کے بعد بھی ضرورت تھی کہ اس عہد انقلاب اور اسکی ضرورتوں اور ذہنی خصوصیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوسط درجہ کے لوگوں کے لئے (جن کے پاس وقت بھی کم ہے اور بڑی علمی استعداد بھی نہیں رکھتے) حدیث کا ایک متوسط درجہ کا مجموعہ مرتب کیا جائے اور حدیث کے انتخاب و ترتیب اور تشریح میں اس مقصد کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے کہ ذہن کو افزائش اور قلب کو اطمینان حاصل ہو اور زندگی کے ہر گام کی اصلاح ہو۔

نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ احادیث کے سلسلہ میں اس دور میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ بعض سلیم طبعیتیں مزید تشفی کی طالب ہوتی ہیں ان کو بھی حل کیا جائے، یہ کام وہی کر سکتا تھا جو ایک طرف رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی دولت سے بہرہ یاب ہو، دینی حقائق پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو

اور اسکو ہر دینی حقیقت پر علمی و ذہنی طور پر بھی شرح صدر ہو اس سب کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اختلاط و اجتماع اور مطالعہ کے ذریعہ اس عصر کی اقتاد طبیعت اور دماغی ساخت سے بھی واقف ہو، نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی بے خبر نہ ہو، اور اپنے حاضر علم، وسیع مطالعہ، وسیع تجربہ اور خدا داد فہم و قوت استدلال سے احادیث کی ترجمانی اور نئے ذہن کی تشفی کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ اس نے اس اہم اور نازک کام کے لئے رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو منتخب فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے دینی و علمی کام کی توفیق عطا فرمائی ہے، لیکن میری نظر میں ان کے تمام کاموں میں اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور مجھے بھی اس کی سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں مولانا سے اس کام کی تکمیل کا تقاضا کروں، اس وقت انکی کتاب معارف الہدیث کی دوسری جلد قارئین کے سامنے ہے جس میں زہد و رفاق اور اخلاق سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو مرتب کر کے اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جن سے بڑھ کر اصلاح قلوب، تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کے بعد دنیا کے ادب میں موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی صحت و زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ وہ اس اہم سلسلہ کو جلد از جلد مکمل کر لیں۔

ابوالحسن علی ندوی

(۲۷ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ)

مرکز دعوت و اصلاح و تبلیغ - لکھنؤ

معارفُ الحديث

حصه دوم

کتاب الرقاق

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

نَظَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي لِحَبِطِهَا وَوَعَاَهَا وَأَذَاهَا لَرُبِّ
حَامِلٍ فِيهِ غَيْرُ لِقِيهِ وَرُبِّ حَامِلٍ فِيهِ إِلَى مَنْ هُوَ اللَّهُ مِنْهُ

(رواه الحارثي في الوفاء بالوفاء، عن زهير بن ثابت)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندہ کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سُنے، پھر اُسے یاد کر لے اور محفوظ رکھے اور دوسرے تک اُسے پہنچائے، پس بہت سے لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں، مگر خود فقیہ ہوتے اور بہت سے علم دین کے حامل اُس کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو اُن سے زیادہ فقیہ ہوں۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سینہ یا سینہ میں محفوظ رکھیں اور دوسروں کو سنا کر اور پہنچا کر حضور ﷺ کی اس دعا کے مصداق بنیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ناظرین کو اس خیر عظیم میں حصہ لینے کی توفیق دے۔ آمین

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب النکاح، کتاب البیوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت ان ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان "کتاب الرقاق" کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے وابستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اسکے علاوہ اسی عنوان کے تحت رسول اللہ ﷺ کے مؤثر خطبات و نصائح اور مواعظ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رُخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہ یہی ہوتا ہے، جو کتب حدیث میں "کتاب الرقاق" کے زیر عنوان درج ہوتا ہے، اس لئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف کی یہی اساس و بنیاد ہے۔ ہم اس سلسلہ کو ان حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اُس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کے جو اثرات اُن خوش نصیب اہل ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنہوں نے سب سے پہلے خود حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ ارشادات سُنے تھے، اللہ تعالیٰ ان کا کوئی ذرہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

خدا کا خوف اور فکر آخرت

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اُس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا خلل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اس خوف و فکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کے مشہور صحابی حضرت حظلہ ابن الربیع کی حدیث جو چند صفحات کے بعد آپ پڑھیں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہی تھا، اور صحابہ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو ان کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا اُن کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے ہی سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں، جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلاشبہ ایک پوری کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف چند ہی حدیثیں اس سلسلہ کی درج کی جاتی ہیں۔

اگر عالم غیب ہم پر منکشف ہو جائے

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ خَيْرًا وَلَضَجَّحْتُمْ لَلَيْلَاءِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابو القاسمؐ نے فرمایا: قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قبر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

تشریح: مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی، اور اس کے قبر و جلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین و سکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسنا اور بہت زیادہ روؤ۔ اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوگی۔

(۲) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ أَطْبَقَ السَّمَاءُ وَحَقُّ لَهَا أَنْ تَاطَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَطْلَبُهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعِ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاجِبُ جَنَّةٍ مَسْجِدَ اللَّهِ، وَالَّذِي لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَجَّحْتُمْ لَلَيْلَاءِ وَلَبَكَيْتُمْ خَيْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرْشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعَدَاتِ تَجَاوِزُونَ إِلَى اللَّهِ. قَالَ أَبُو ذَرٍّ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ شَجَرَةً تُعْصَدُ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: میں ارشاد فرمایا: میں علم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سننے، آسمان چرچرا رہا ہے، اور حق ہے کہ وہ چرچرائے۔ قسم ہے اُس ربِّ تعالیٰ کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگلی جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے جسے میں نہ پڑا ہوں، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنسنے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور رے و زاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ (اس حدیث کو نقل کر کے) ابوذرؓ فرماتے ہیں: کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کثرت دیا جاتا۔ (مسند احمد، جامع الترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے خدا کے پیغمبر کا اصل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فیہی حقائق اُس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اس کی طرف وحی کی جائے، وہ اللہ کے دوسرے بندوں کو پہنچائے، اور اُس پر ایمان لانے والے اُس کے امتوں کا مقام اور کام

یہ ہے کہ اُس پیغمبر کے اعتماد و اعتبار پر اُن سب باتوں کو وہ حق جانیں، مانیں اور اُن ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع، عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، ان کی دسترس صرف اسی عالم شہود تک محدود ہے، عالم غیب تک اُن کی رسائی نہیں ہے، اسلئے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سامع و مشاہدہ اور اُن کی خبر پر ہم اعتماد کریں، اور یقین لائیں، اسی کا نام ایمان ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں عالم غیب کے اپنے اس بیت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے، کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے، اور چار انگل بھر جگہ بھی اُس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سر بخود ہو۔ اللہ اکبر! اللہ اعظم! اللہ اجل! آگے حضور ﷺ نے فرمایا، کہ: اگر میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اس دنیا میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے پھرو۔ حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ اُن کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل جاتی تھی، کہ: اے کاش! میں ایک درخت ہوتا، جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر آخرت میں حساب کے لئے میری پیشی نہ ہوتی۔

ف۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافتِ ارضی کا کام لینا ہے، اور وہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان اس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اسلئے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں سے پردہ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یاد و زخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو برائی العین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لینا تھا، اسکے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے، اور ایک درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کر دیا جائے، تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصبِ عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی، اسلئے اس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمتِ خداوندی نے آپ کے قلب مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے تمام فرائض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی گزار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ

غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو

۳ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ لَّانَ عَرَاجَ النَّبِيِّ ﷺ لِيَصْلُوهُ لَرَأَى النَّاسَ كَأَنَّهُمْ يَخْشَوْنَ لَّانَ أَمَا إِنَّكُمْ لَوُ

اَكْفَرْتُمْ دِكْرَهَا بِمِ اللّٰهَاتِ لَشَعْلِكُمْ عَمَّا اَرٰى الْمَوْتُ لَاشْكُرُوْا وَاذْكُرْهَا بِمِ اللّٰهَاتِ الْمَوْتُ
لَا اِنَّ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمَ اِلَّا تَكْلَمُ لِقَوْلِ اَنَا بَيَّتُ الْفَرْبَةَ وَاَنَا بَيَّتُ الزَّوْحَدَةَ وَاَنَا بَيَّتُ
الْقُرَابَ وَاَنَا بَيَّتُ الدُّوْدَ وَاِذَا ذُكِرَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَاَهْلًا اَمَّا اِنْ كُنْتُ
لَا حَبَّ مِنْ بُمِشِي عَلَى ظَهْرِيْ اِلَى لَإِذَا وَلَيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتُ اِلَى لَسْتَرِيْ صَبِيحِيْ بِكَ قَالَ
فَتَبِعْ لَهٗ مَدْبَصَرِهٖ وَتَفْتَحْ لَهٗ بَابٌ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِذَا ذُكِرَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ اَوْ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ
لَا مَرْحَبًا وَلَا اَهْلًا اَمَّا اِنْ كُنْتُ لَا تَقْضُ مِنْ بُمِشِي عَلَى ظَهْرِيْ اِلَى لَإِذَا وَلَيْتُكَ الْيَوْمَ
وَصِرْتُ اِلَى لَسْتَرِيْ صَبِيحِيْ بِكَ قَالَ فَلْيَتَّبِعْ عَلَيْهِ حَتّٰى تَخْلِفَ اضْلَاعُهٗ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ
اَللّٰهِ ﷺ بِاصْبَاحِهٖ لَإِذَا خَلَّ بَعْضُهَا فِىْ جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَيَتَّقِضْ لَهٗ سَعُوْنَ رِيْتًا لَوْ اَنْ وَّاجِدًا
مِنْهَا نَقَعَ فِى الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَ حَتّٰى مَا يَغِيْبَ الدُّنْيَا لَيَنْهَسَنَهٗ وَيَغِيْخُنَهٗ حَتّٰى يَفْضِيْ بِهٖ اِلَى
الْجَسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اَللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ خُفْرَةٌ مِنْ خُفَرِ
النَّارِ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ ﷺ نے (ان کی اس حالت کی اصلاح کیلئے) ارشاد فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا نہ کرنے دے گا کہ تم لوگ موت کو زیادہ یاد کرو۔ (اسکے بعد فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جسکو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بنتا ہے) ہر روز پکارتی ہے۔ (ظاہر یہ ہے کہ زبان قال سے پکارتی ہے، اور اسکی اس پکار کو وہی سن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبان حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر بندہ ہر وقت سن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبان حال کی باتیں سننے والے کان عطا فرمائے ہوں)۔ (اسکے بعد آپ نے اسکی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اس زمین سے پڑتا ہے اور وہ اسکے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا ہر تاوا اسکے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مومن و مسلم ہو، تو زمین (کسی عزیز اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور) کہتی ہے مرحبا! (میرا دیدہ و دل فرس، رلہ) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے، اور آج جب تم میرے سپرد کر دئے گئے ہو، اور میرے پاس آگئے ہو، تو تم دیکھو گے کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لئے) میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اُس بندہ مومن کے لئے حد نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اُس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا

جاتا ہے۔ اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی یا (آپ نے فرمایا، کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے ان سب سے زیادہ بغض تھا، اور آج جب تو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آگیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہاں تک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں۔ ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا۔ اسکے بعد فرمایا ”پھر اس پر ستر اڑھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبز نہ اگا سکے، پھر یہ اڑھے اسے برابر کانتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ: اسکے سوا کچھ نہیں کہ قریا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔ (جانب ترمذی)

تشریح..... قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، اور عقل کی خامی سے جو سوالات اور شبہات اس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، ان کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے، یہ بھی وہیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے، خواہ وہ اصطلاحی قبر ہو یا کچھ اور، نیز وہیں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات اہل جہاں جہاں حدیثوں میں سترجہ کا یا ایسی طرح کا کوئی دوسرا اعداد و آتا ہے، تو اس سے مراد صرف کثرت اور بہتات بھی ہو سکتی ہے، الغرض ان سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس روح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے، اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلاشبہ یہ تیر بہدف علاج ہے۔ صحابہ میں جو تقویٰ، جو خوف خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے اسی طریق علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف کچھ اُن ہی بندگانِ خدا میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف اور خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

۴) عَنْ أَبِي بَنِي كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ذَهَبَ فَلَنَا اللَّيْلُ لَمْ يَلْقَ بَايَئَهَا النَّاسُ أَذْكَرُوا وَاللَّهِ أَذْكَرُوا وَاللَّهِ جَاءَ تَبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ۔

(رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو آپ اٹھتے، اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آگیا ہے بلاؤ لے والا، قیامت کا

بھونچال (یعنی ٹخہ اولیٰ) اور اسکے پیچھے آرہا ہے دوسرا (یعنی ٹخہ ثانیہ) موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے، جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے تعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔ (ترمذی)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں، ان سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اسکے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عام اہل ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے تھے، اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کیلئے اس وقت آپ انکو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے۔ بلاشبہ خواب غفلت کو دور کرنے کے لئے، اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اُس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے، یہ نسخہ بڑا کسیر ہے۔ آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کیلئے بستر سے اٹھنا مشکل ہو، وہ اگر اس وقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں

۵ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ خَافَ أَذْلَجَ وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ إِلَّا إِنْ سَلَعَهُ اللَّهُ عَالِيَةَ إِلَّا إِنْ سَلَعَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ: جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے، اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے یا در کھو، اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے، یا در کھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔ (ترمذی)

تشریح عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت و عافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مثال سے سمجھایا، کہ جس طرح رہزنوں کے حملے سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہنچنے کے لئے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے، اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتلایا، کہ: بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے، وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ

یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان و مال اور خواہشات نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور وہ چیز جنت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمْ الْجَنَّةُ الایذ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے اُن کے جان و مال جنت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان و مال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری کر نیوالے ہی ہو شیار اور دور اندیش ہیں

(۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ لَأَنَّ رَجُلًا يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَنْ أَكْمَسُ النَّاسَ وَأَحْزَمُ النَّاسَ لَأَنَّ أَكْثَرَهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَكْثَرَهُمْ إِسْتِعْذَادًا أُولَٰئِكَ الْأَكْيَاسُ لَمْ يَمُوتُوا بِشَرِّ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ.

(رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا، کہ: اے اللہ کے پیغمبر! بتلایئے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہو شیار اور دور اندیش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہو شیار ہیں، انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔ (ترجمہ فی لفظ النبی)

تشریح..... جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنہیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

(۷) عَنْ خُذَّادِ بْنِ أَوْسٍ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ الْكَيْسُ مِنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَمَتْنَى عَلَى اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ہو شیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح..... دنیا میں کس (چالاک و ہو شیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کرنا چاہے کر سکتا ہو، اور یہ قوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو۔ اور اہل دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اُن کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہئے رسول اللہؐ نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اُس زندگی میں کامیابی اُن ہی کیلئے ہے جو اس

دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گزار دیں، اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہے۔ اور اسکے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنالیا ہے، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و امر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھر تیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب و نامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے کہ:

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو
اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے، جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پروا اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم سے امیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ نیکو کہتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور اُن کا انجام نامراد ہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجا یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی امید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو امید بے عملی اور بد عملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجا محمود نہیں ہے بلکہ نفسِ شیطان کا فریب ہے۔

نیکلی اور عبادتِ کمر کے ڈرنے والے بندے

۸ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَ قُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمُ الَّذِينَ يَشْرَوْنَ الْخُمْرَ وَيَسْرِفُونَ؟ قَالَ لَا يَابِئَةُ الصِّدِّيقِ وَلَكِنَّهُمْ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا يُغْبَلَ مِنْهُمْ أَوْ لَيْكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ.
(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید کی آیت ”وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَ قُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ“ کے بارے میں دریافت کیا، کہ: کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اُن کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی وابن ماجہ)

تشریح: سورہ مومنوں کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے

ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے ”وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا تَوْارَ قُلُوبِهِمْ وَحَلَّتْ“ (جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ”وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہہ دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترسا رہتے ہیں)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ: کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو شامتِ نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نذر اور بے باک نہیں ہوتے بلکہ گناہکاری کے باوجود ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ نہیں! اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، اور اس کے باوجود ان کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے یا نہیں۔ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے ”أُولَئِكَ سَارِعُونَ فِي الْحَيَاتِ وَلَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ“ (یہی بندے حقیقی بھلائیوں اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا، اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی شانِ بے نیازی اور اس کا قہر و جلال اس قدر ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہر گز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے مُنہ پر نہ مار دیا جائے، کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا، اُسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی اپنی عبادت کو بیچ سبھے گا:

۹ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُفَيْدٍ رَفَعَهُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا يَبْعُرُ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمٍ وَلَدَ إِلَى يَوْمٍ يَمُوتُ لَفِي مَرْضَاةٍ إِلَهِ لَسَفَرَةَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہو گئی، اور جزاء و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہوگا، یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں

پڑا رہا ہو، اُس کا احساس بھی یہی ہوگا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی سچ سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی۔

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّكَ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّ

لَهُمَا مِنَ اللَّهِ طَلَبًا۔ (رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عائشہ! اپنے کو اُن گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے، اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہی نصیحت فرمائی ہے اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت ﷺ کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی ضرورت ہے، تو ہمارا کیا لئے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہونے والی ہے ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے، دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے، پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے ہیں اور بھاگتے ہیں، اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، یہی اس حدیث کا نشانہ اور مقصد ہے۔

گناہوں کے انجام کا خوف اور رحمت خداوندی سے اُمید

(۱۱) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى شَابٍ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ أَرْجُو اللَّهَ يَا

رَسُولَ اللَّهِ وَيَأْتِي أَخَافُ ذُنُوبِي فَقَالَ ﷺ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا

أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَرْجُو مِنْهُ وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جوان کے پاس اُسکے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا

سے رخصت ہو رہا تھا، تشریف لے گئے، اور آپ نے اُس سے دریافت فرمایا، کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں، اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یقین کرو جس دل میں امید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں) جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرمادیں گے، جس کی اس کو اللہ کی رحمت سے امید ہے، اور اس عذاب سے اُس کو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اس کے دل میں خوف و ڈر ہے۔ (بخاری ترمذی)

تشریح: بیشک اللہ کا خوف اور اس کے عذاب اور اسکی پکڑ سے ڈر نامی نجات کی سنجھی ہے۔

جسکے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف پیدا ہو، وہ دوزخ سے نکلوا لیا جائیگا

(۱۲) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَأَنْ يَكُونَ اللَّهُ جَلَّ ذِكْرُهُ أَخْرَجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ ذُكِرْتِ يَوْمَئِذٍ تَحَالُفِي فِي مَقَامٍ۔ (رواه الترمذی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا، کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا، اُس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔ (بخاری ترمذی کتاب البعث والنشور)

تشریح: کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے، کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور اُس کا کوئی عمل بھی اُس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا، اسلئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا، کہ وہ کفر یا شرک نہیں تھا، بلکہ ایمان آگیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہت سی نیک اعمال، ایسا خیر، ایسا اجر نہیں دے گا، اس کو اللہ تعالیٰ یاد کیا تھا، یا کسی موقع پر اس کے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اُس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت

(۱۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَهْدِهِ ذُمُوعٌ وَإِنْ كَانَ يَفْلُ رَأْسَ اللَّهَابِ مِنْ غَشِيَةِ اللَّهِ ثُمَّ يَصِيبُ شَيْئًا مِنْ خُرُوجِهِ إِلَّا حَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ۔ (رواه ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے خوف اور ہمت سے جس بندہ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم، مثلاً کھس کے سر برابر

(یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اسکے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوف خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو، اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آگ کبھی اس کو نہ لگ سکے گی۔ ”کتاب الایمان“ میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، انکا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضہ اور خاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس سے تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر کبھی ایسا گناہ اس سے ہوا ہو تو وہ اس سے تائب ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو۔ یہ نہ سمجھا جائے، کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

اللہ کے خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سعادت

(۱۴) عَنْ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذَا فَشَعَرَ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خُطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَلَّهَا. (رواہ البزار)

ترجمہ حضرت عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اسکی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

تشریح خوف و خشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو تو چہرے پر بشارت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسکے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہے، اسی طرح حضرت عباسؓ کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

ایک گناہگار نے خوفِ خدا سے بہت بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا

(۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَسْرَفْتُ وَجَعَلْتُ عَلَى نَفْسِي لَلْمَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصَانِي بِنَفْسِي إِذَا مَاتَ لَمْ يَكُنْ لِي أَزْوَاجُ لِي فِي النَّارِ وَبِصَفَةِ فِي الْبَحْرِ لَوْ أَنَّ لِي لَنْزَ اللَّهُ عَلَيْهِ يُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ لَلْمَامَاتُ لَعَلُّوْا مَا أَمَرَهُمْ فَأَمَرَ اللَّهُ الْبَحْرُ لَجَمَعَ مَا فِيهِ وَأَمَرَ النَّارُ لَجَمَعَ مَا فِيهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ لِمَ لَعَلَّتْ هَذَا قَالَ مِنْ عَفْوَكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ لَفَعْلَهُ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بدظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی، وہی زندگی گزارا تا رہا) جب اس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا، اور آخرت کے بُرے انجام سے وہ بہت ڈرا، یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، کہ جب میں مر جاؤں، تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا، پھر تم میری اس راکھ، میں سے آدمی تو کہیں خشکی میں نکھیر دینا، اور آدمی کہیں دریا میں بہا دینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے، اور میں جزائز کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اسے کہا کہ میں ایسا گناہگار ہوں، کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے پکڑ لیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دیا۔ اسکے بعد جب وہ مر گیا، تو اسکے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اڑا دیا، اور کچھ دریا میں بہا دیا)۔ پھر اللہ کے حکم سے خشکی اور تری سے اسکے اجزاء جمع ہوئے (اور اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ذرے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا، کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرمادیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اعمال بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اس نے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کر دی، اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا مشا اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اسکے عذاب کا ڈر تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ ”لَنْ قَدْ رَأَى اللَّهُ عَلَيْهِ“ کے بارے میں شارحین نے بہت کچھ علمی مویشکافیاں کی ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ذرے سببے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اسکو بھی معاف کر دیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت اور قرب کا معیار ہے

(۱۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَكَ لَكَ لَسْتَ بِغَيْرٍ مِنْ أَحْمَرٍ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوَى. (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ البتہ تقویٰ، یعنی خوف خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلہ میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی فضیلت کا معیار بس تقویٰ ہے (یعنی خوف خدا اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقویٰ میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے: "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَى" اللہ اتمکم

(۱۷) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ عَرَجَ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُؤْصِيهِ وَمَعَاذٌ رَاجِبٌ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْنِي نَحْتَ رَاجِلِهِ لَمَّا لَرَعَ قَالَ يَا مَعَاذُ إِنَّكَ هَسِيءٌ أَنْ لَا تَلْغَايَ بَعْدَ عَامِي هَذَا وَلَقَدْ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هَذَا وَلَهْرِي لَهْكَ مَعَاذٌ جُفْعًا لِيُورِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ التَفْتُ فَلَا تَلْبَلُ بِوَجْهِ نَحْوِ الْمَدِينَةِ لَقَالِ إِنَّ أَوَّلِي النَّاسِ بَيْنَ الْمُظْكَونِ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا. (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضورؐ بھی ان کو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے ان کے ساتھ چلے، اس وقت حضرت معاذؓ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اور حضورؐ خود ان کی سواری کے پیچھے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اور وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے یہ فرمائی، کہ: اے معاذ! شاید میری زندگی کے اس سال کے بعد میری تمہاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا آپ نے ان کو اشارہ فرمایا، کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اور میں غریب ہی اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جائے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور شاید ایسا ہو، کہ (اب جب کبھی تم یمن سے واپس آؤ، تو مجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اس مسجد اور میری قبر پہ گزرو۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ (حضورؐ کی وفات کے تصور، اور) آپ کے فراق کے صدمہ سے رونے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر کے، اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا: مجھ سے زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقوے والی

زندگی گزارتے ہیں) کوہ جو بھی ہوں، اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

تشریح حضور ﷺ کے ارشاد کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے، اور میرے ساتھ اس تعلق کا دار و مدار تقویٰ پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنا ہی دور یمن میں یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہو، لیکن اُس کو خوفِ خدا اور تقویٰ نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اور گویا میرے ساتھ ہے، اور اسکے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اُس کا دل تقویٰ کی دولت سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اور میں اُس سے دور ہوں۔ آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت معاذؓ کو تسلی دی، کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقویٰ تمہارے دل، اور تمہاری روح کو نصیب ہے، تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور نہ ہو گے۔ اسکے علاوہ دنیا کی یہ زندگی گالی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقویٰ والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہو گا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ غالباً اس لئے حضرت معاذؓ کی طرف سے پھیر کر مدینہ کی طرف کر لیا تھا، کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہو گئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذؓ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محب کا رونامہ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اسلئے اس وقت آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذؓ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کر دیا اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے۔ اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، ان سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے تابع سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقویٰ ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ ﷺ کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے، جسکی بشارت حضورؐ نے اس حدیث میں دی ہے۔

خوف و خشیت اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا حال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جا رہی ہیں، جن سے معلوم ہو گا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کا حال کیا تھا۔ اور ان کی زندگی پر اسکے کیا اثرات پڑتے تھے۔

(۱۸) عَنْ جَابِرٍ لَّانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَنْدِيلُ أَحَدًا مِنْكُمْ حَمَلَةَ الْجَنَّةِ وَلَا يُجَزِّئُهُ مِنَ النَّارِ

وَلَا أَنَا إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کا عمل اُس کو جنت میں نہ لے جاسکے گا، اور نہ دوزخ سے بچا سکے گا، اور میرا بھی یہی حال ہے، مگر اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے۔“ (صحیح احمد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد، کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے جنت میں جاسکوں گا، آپ کے دل کی خوف و خشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کیلئے کافی ہے۔

۱۹. عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسَلْتُ بِهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسَلْتُ بِهِ وَاِذَا تَخَلَّتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَذْبَرَ فَاِذَا مَطُرَتْ سَرَعَتْ عَنْهُ فَفَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يٰ اَعِيْشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمٌ عَابِدٌ فَلَمَّا رَاُوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلًا اَوْ دِيْبَهُمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّطْرُنَا

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی ”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ“ (اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوائی بھلائی کا اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی کا اور جس مقصد کے لئے یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی کا اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اسکے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہے اسکے شر سے، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہے اس کے شر سے) اور جب آسمان پر ابر آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور (اضطراب کی یہ حالت ہوتی کہ) کبھی باہر آتے، کبھی اندر جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور خیریت سے گزر جاتی) تو یہ کیفیت آپ سے دور ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ کی اس حالت اور واردات کو سمجھ لیا اور آپ سے پوچھا (کہ تیز ہوا اور ابر و دیکھ کر حضورؐ کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ ابر و باد اس طرح کا ہو جو (حضرت ہودؑ کی قوم) عاد کی طرف بھیجا گیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے) کہ جب اُن لوگوں نے اس بادل واپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ ابر ہمارے لئے بارش لائے والا ہے۔ (حالانکہ وہ بارش والا ہر نہ تھا، بلکہ آندھی کا بلاکت خیز طوفان تھا، جو ان کو تباہ کرنے ہی کے لئے آیا تھا)۔ (صحیح ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا حاصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضورؐ کے قلب مبارک پر اللہ کے خوف و خشیت کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو آپ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اسکے خیر کے حاصل ہونے کی اور اسکے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے اور جب آسمان پر ابر نمودار ہوتا تو اللہ کے جلال کی دہشت و ہیبت سے آپ کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی یہ کیفیت اس خوف اور ڈر سے ہوتی کہ کہیں بادل کی شکل میں اللہ کا دیا عذاب نہ ہو جیسا کہ حضرت

ہوؤ کی سرکش قوم عاد پر ابرہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا کچھ کرنا دانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انہوں نے اس کو ابرہہ رحمت سمجھا تھا، حالانکہ وہ عذاب کی آندھی تھی۔ حدیث میں آیت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ نام تمام ہیں۔ آخری حصہ یہ ہے ”لَا خَاسِرِينَ فِيهِ“ عَذَابُ الْيَوْمِ۔“

(۲۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا ابْتَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَذِيبَتْ لَمَّا خَسِبَتْنِي هُوَذُ وَالْوَالِغَةُ وَ الْمُرْسَلَةُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپا آگیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے بوڑھا کر دیا سورہ ہود، سورہ واقفہ، سورہ مہر سلمات، سورہ عم یسآء لون اور سورہ نکویر (اذا الشمس کُوِّرَتْ) نے۔ (ترمذی)

تشریح۔ رسول اللہؐ کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی اور قوی جیسے اچھے، اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اسکے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابو بکرؓ نے یک روز عرض کیا کہ: حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورہ ہود اور واقفہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا۔ ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور بحر مومن پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے۔ آنحضرتؐ ان کے مضامین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں، اسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ”يَوْمًا يُجْعَلُ الْوِلْدَانُ نِسَاءً“ کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خوف خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے آنحضرتؐ کے قلب مبارک کا حال کیا تھا۔

(۲۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا لَكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَذَقُ لِي أَعْيُنُكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعْمَلُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْمُؤَبَّاتِ بِعَنِي الْمُهْلِكَاتِ۔ (رواہ البیہاقی)

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا: تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمہاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہؐ کے زمانہ میں انکو مہلکات میں شمار کرتے تھے۔ (بیہاقی)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ صحابہ اکرامؓ پر خوف خدا کا اتنا غلبہ تھا، اور وہ آخرت کے حساب و انجام سے اس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اور ان

سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے، اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے، جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۲۲) عَنْ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ عَلِمَةً عَلَى عَهْدِ آبِي لَيْثٍ لَقِيتُهُ لَقِيتُ يَا أَبَا حَمْرَةَ هَلْ كَانَ هَذَا يُصَيِّبُكُمْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنْ كَانَتِ الرَّبْعُ لَقَضَيْتُ لَهَا بِإِذْنِ اللَّهِ إِلَى الْمَسْجِدِ مَعَالَةَ أَنْ تَكُونَ الْقِيَامَةَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: نصر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آمدھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے پوچھا کہ: اے ابو حمزہ! کیا ایسی کالی اور اندھیری آمدھیوں کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابو داؤد)

(۲۳) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لَقِيتُ أَبَوْنَكِرَ لَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ لَقُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا تَقُولُ؟ لَقُلْتُ تَكُونُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَمَا رَأَى عَيْنٍ لَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ عَالَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالطُّغْيَانِ وَلَسَيْنَا كَغَيْرِهَا قَالَ أَبَوْنَكِرُ لَوَاللَّهِ إِنَّا لَتَلْقَى مِثْلَ ذَلِكَ لَأَنْطَلِفُ أَنَا وَأَبَوْنَكِرُ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ لَقُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ لَقُلْتُ تَكُونُ عِنْدَكَ تَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَمَا رَأَى عَيْنٍ لَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَالَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالطُّغْيَانِ وَلَسَيْنَا كَغَيْرِهَا لَقَالَ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَلَدْتُ لَكُمْ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَلِي الدُّكْرُ لَصَالِحُكُمْ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فَرْحِكُمْ وَلِي طَوْلُكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً لَتَكُنَ مَرَاتٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت حنظلہ بن الربیع سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابو بکرؓ نے پوچھا: حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے اُن سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے، انہوں نے فرمایا: پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا، بات یہ ہے کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ہمارے حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بوی بیچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں، اور پھر ہم بہت چھو بھول جاتے ہیں۔ ابو بکرؓ نے یہ سن کر فرمایا: کہ اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اس کے بعد میں اور ابو بکرؓ دونوں چلے گئے، اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا، کہ: حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر

آتے ہیں، تو یوی بیچ، اور کھیتی باڑی کے، عندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اور ہم بہت چوہ بھول جاتے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْغَنَمُ بِهَا نَفْسٌ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْغَنَمِ كَيْفَ تَكُنْ فِي الْبَشَرِ جَانِ هَے، اگر تمہارا حال ہمیشہ دوسرے جوہ سے پاس دوتا ہے، اور تمہارا حال میں مشغول ہو، تو کاش تھے تمہارے بستر پر اور راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں، لیکن اس خطائے الہیہ سے اس خطائے انسانی سے تمہارا ہے، بلکہ اس اتنا ہی کافی ہے، کہ وہ اتنا تو کیا یہ ہوتا ہے، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

ف..... حضرت خطبہ کی اس روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں آخرت اور دین کی فکر کس درجہ میں تھی، کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اور ذرا سا انحطاط دیکھ کر وہ اپنے یہ نفاق و شہہ سے لکتے تھے۔

(۲۴) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَذَرُونِي مَا لَالُ أَبِي لِأَبِيكَ لَالٌ لَلْتُ لَا لَالُ لَالُ أَبِي لَالُ لِأَبِيكَ يَا أَبَا مُوسَى هَلْ يَسْرُكُ أَنْ إِسْلَمْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهَجَرْنَا وَجَهَادْنَا مَعَهُ وَعَمَلْنَا كَمَلَهُ مَعَهُ بَرَدَلْنَا وَأَنْ كُلَّ عَمَلٍ عَمَلْنَا بَعْدَهُ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَلْنَا رَأْسًا بِرَأْسِي لَقَالَ أَبُوكَ لِأَبِي لَا وَاللَّهِ لَقَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَصَلْنَا وَصَمْنَا وَعَمَلْنَا غَيْرًا كَغَيْرِهَا وَأَسْلَمَ عَلَيَّ أَبِينَا بِشَرِّ كَثِيرٍ وَإِنَّا لَنَرْجُو ذَاكَ لَالُ أَبِي لِكُنِّي أُمًّا وَالِدِي نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ لَوِ دِدْتُ أَنَّ ذَلِكَ بَرَدَلْنَا وَأَنْ كُلَّ عَمَلٍ عَمَلْنَا بَعْدَهُ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَلْنَا رَأْسًا بِرَأْسِي، فَلَلْتُ إِنَّ أَبَاكَ وَاللَّهِ كَانَ خَيْرًا مِنِّي أَبِي. (رواد البخاری)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابو بردہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے لیا بات کہی تھی؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انہوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا، ان اب ابو موسیٰؓ لایا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کیساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا سلام لانا اور آپ سے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے دوسرے اعمال جو ہم نے آپ سے ساتھ کئے، وہ تو ہمارے لئے ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ سے بعد کئے، ان سے ہم برابر سربراہ پر چھٹی پانچائیں (یعنی حضورؐ کے بعد ہم نے جو اچھے کام سے عمل کئے ہیں، ان پر نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب)۔ (عبد اللہ بن عمر ابو بردہ سے کہتے ہیں کہ میں نے والد کی یہ بات سن کر) تمہارے والد نے کہا، کہ نہیں! خدا کی قسم، میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بعد جہاد کئے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور (اللہ تعالیٰ کی توفیق سے) ان کے ساتھ وہی بہت سے اعمال خیر کئے ہیں، اور ہماری کوششوں سے، اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بیشمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اجر و صلہ کی پوری امید رکھتے ہیں (اس لئے میں تو آپ سے خیال سے متفق نہیں ہوں)۔ اس پر میرے والد (حضرت عمرؓ) نے پھر فرمایا کہ قسم! اس بات پر فی جنت جنت میں ہوتا

کی جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں، کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے لئے ثابت رہیں، اور ہم کو ان کا صلہ عطا کیا جائے، اور جو عمل ہم نے آپ کے بعد کئے ان سے ہم برابر سراہر چھٹی پانچیں۔ (ابو بردہ کہتے ہیں، کہ) میں نے عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا، کہ: خدا کی قسم! تمہارے والد (حضرت عمرؓ) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔ (ابن ابی)

تشریح۔ جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی امید کیجاتی ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیا تھا امید رکھتے تھے، کہ رسول اللہ ﷺ کیساتھ جو اعمال خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آنحضرتؐ کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی انشاء اللہ قبول ہو گئے، لیکن جو اعمال حضورؐ کے بعد کئے گئے، چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے، اسلئے حضرت عمرؓ عام اہل معرفت کی طرح انکے انجام سے ڈرتے تھے، اور اپنی سلامتی و کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سراہر پر چھٹی مل جائے، نہ ان پر عذاب ہو نہ ثواب۔

طاعت ناقص ما موجبِ غفران نشود راضیہم گر مدد علت عصیاں نشود

حدیث کے آخر میں ابو بردہؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے جو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میرے والد تمہارے والد افضل تھے بظاہر اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ چونکہ حضرت عمرؓ افضل تھے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر ان پر اس قدر زیادہ تھا۔ صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے۔ "واللہ لو ان لی طلاع الارض دھبا لافسد مدی عذاب اللہ فل ان اراؤ" (اللہ کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو، تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے پہلے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں، اور اپنی جان چھڑاؤں)۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے لئے جنت کی بشارتیں سنی ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے "قریباً زائیش بود حیرانی" اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیا کی تنقیر اور مذمت

رفیق کے سلسلہ کی جو حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی تحقیر اور مذمت کی ہے، اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے۔ چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق، اور شغف و انہماک حد سے بڑھ گیا ہے، اور خالص دنیوی اور مادی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوگا، اسلئے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی تحقیر اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اُترتی، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں، اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف "رہبانیت اور غلط تصوف کی تبلیغ" کہہ دیتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں، تو منکرینِ حدیث کی طرح ان

حدیثوں ہی کے بارے میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اسلئے اس سلسلہ کی حدیثیں درج کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید، ایمانی مسلمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اس مسئلہ پر کچھ اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

دنیا اور آخرت

(۱) یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گزار رہے ہیں، اور جس کو اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں، جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالمِ آخرت میں پہنچ کر جنت و دوزخ کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے۔ الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے، اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجائے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے اور نقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں الحمد للہ پورا وثوق اور اطمینان ہے۔

(۲) پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، بہ خلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنادیا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوائی زندگی عطا فرمادی جائے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ”عطاءٌ غیر مجذوذ“ اور اسی طرح جن اشقیاء کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اُن پر ہوگا۔ اُن کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں جا بجا فرمایا گیا ہے: ”خالداً فیہا ابداً“ اور ”وما ہم بخارجین من النار“ اور ”لا یقضى علیہم فی موتوا ولا یخفف عنہم من عذابہا“

① وہ عطاء خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲۔

② وہ ہمیشہ اُسی جہنم میں پڑے رہیں گے۔ ۱۲۔

③ وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۱۲۔

④ اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مگر یہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اور اُن کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔ ۱۲۔

اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی بتائی ہوئی اس حقیقت پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لذتیں اور نعمتیں بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی لذتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، اور دنیا کی چیزوں کو ان سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

نظام ہے کہ ان سب باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی فکر، سعی پس آخرت ہی کے لئے ہو، اور دنیا سے اس کا تعلق - فکراً، عیناً، و عیناً - دور رکھے۔

(۳) انسان انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت ان کے سامنے ہے اور آخرت سرسبز غیب اور آغوشِ امن ہے، اس لئے اسے دنیا کی لذتوں، دنیا کی حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے، گویا یہ انسانوں کی ایک قسم کی فطری کمزوری ہے۔ ان کا حال اس معاملہ میں بالکل ان چھوٹے بچوں کا سا ہے جن کو بچپن میں اپنے میلانوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اور مستقبل کی زندگی کو خوشگوار اور شامانہ بنانے والے تعلیمی تربیتی مشاغل ان کیلئے سب چیزوں سے زیادہ غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق و تھکاتے ہیں، ان کے شفیق ماں باپ ان کو سمجھا بھانرا ان اچھے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے ہیں جن میں لب و لہو کا خیاب انسان بن سکتے ہیں، اور عزت و عافیت کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں سے ذرا بے ہمیشہ انسانوں کی اس غلطی اور کمزوری کی اصلاح کی کوشش ہوتی رہی، اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا جو دور رہا ہے، اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کا جو مقام ہے، وہ واضح کیا جاتا رہا ہے، مگر انسانوں سے اس بارہ میں غالباً ہمیشہ بچوں والی غلطی ہوتی رہی ہے۔

”**بَلْ تُولُوا زُوناَ الْمَحْیَاةِ الدُّنْیَا - وَالْآخِرَةِ خَيْرٌ وَآخِرُ**۔ **إِنَّ هَذَا لَیْسَ الشُّعْبُ الْأَوَّلُ**۔
صُحُفِ إِبْرَاهِیْمَ وَ مُوسٰی“۔

(۵) قرآن پاک چونکہ اللہ کی طرف سے روئے زمین کے انسانوں کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے، اسلئے اس میں اور بھی زیادہ زور اور اہمیت کے ساتھ جا بجا مختلف عنوانات سے دنیا کی بے وقعتی اور ناپائیداری کو اور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہیں پر فرمایا گیا ہے:

لِلْ دُنْیَا دُلُیْلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی - (النساء: ۷۷)

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے، اور آخرت بہتر ہے پرہیز گاروں کیلئے۔
کہیں ارشاد فرمایا گیا:

تمہارا حال یہ ہے کہ تم (آخرت کے مقابلہ میں) کوئی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے بدرجہا) بہتر اور بہت زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات اگلی کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے، یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔ ۱۲

وَمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَلِلْآخِرَةِ الْخَيْرُ لِلَّذِينَ يُتَّقُونَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

(الاحقاف: ۳۹)

اور دنیا کی زندگی کی حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں (افسوس تم پر!) کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں؟
کہیں اور ارشاد ہے:

إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (النور: ۳۹)
یہ دنیوی زندگی (اور یہاں کا ساز و سامان) تو بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔
کہیں فرمایا گیا:

وَلِلَّيْلِ الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ (الحديد: ۲۰، ۵۷)
اور آخرت میں (بجہت اور باغیوں کے لئے) سخت ترین عذاب ہے، اور (جو بندے رضا اور مغفرت کے لائق ہیں) اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور رضا ہے۔ اور دنیوی زندگی تو بس دھوکے کا سرمایہ ہے۔

(۶) الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی بہت دور ہمنائی کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح و بہبود کے ساتھ ہم تک پہنچانے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے، اور اس سے زیادہ جی نہ لگائے، اور اس کو اپنا مقصد و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوامی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کی جو قدر و قیمت اور جواہریت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اُس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اُس کے دل کا رُخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور "اللَّيْلَةُ ۝ لَا عِشَ إِلَّا عِشَ الْآخِرَةِ" اس کے دل اور اس کی روح کی صدا ہو۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لانے والوں کے دلوں پر اپنے عمل اور حال سے بھی اسی کا نقش کرتے تھے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی، جن میں دنیا کی تحقیر اور مذمت کی گئی ہے، ان کا مطلب

و مقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن وحدیث میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکر آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھو نہ ہو تاہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ توجہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں!

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت:

(۲۵) عَنْ مُسْتَوِرٍ ذِي قُدَّادٍ لَّالَ سَجَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ وَاللَّهِ مَا لِلدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يُجْعَلُ أَحَدُكُمْ أَصْبَعَهُ لِيَالِيهِمْ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يُرْجَعُ (رواہ مسلم)

روایت ہے مستور بن شداد سے، کہ میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (مسند)

ترجمہ مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی۔ اور دراصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی ہے، اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے، اور ریاضی کا مسلم مسئلہ ہے کہ محدود و متناہی اور لامحدود و لامتناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی، جب حقیقت یہ ہے، تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی گھٹانے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کیلئے خوب جدوجہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پروا ہے۔

(۲۶) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِجَذِيٍّ أَسْكَمَتْ لِفَافُكُمُ يُحِبُّ أَنْ هَذَا لَهُ بَيْزُهُمْ؟ لَقَالُوا مَا نَحِبُّ أَكْلَهُ لَنَا بِشَىءٌ، لَّالَ لَوْ أَنَّ لِلدُّنْيَا أَهْوَى عَلَى اللَّهِ مِنْ هَذَا عَلَيْنَاكُمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا کُذَر بکری کے ایک بچے مردہ بچے پر ہوا، جو راستے میں مر چکا تھا، اُس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے اُن سے آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا، ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردار بچہ ہے۔ (مسند)

یہ حدیث کے لفظ اسن کا ترجمہ ہے، یعنی بن کانوں کا، خواہ خلقی طور پر اُسکے کان نہ ہوں، یا بہت چھوٹے ہیں، یا کئے ہوئے ہوں، ان تینوں صورتوں کیلئے اسن کا لفظ بولا جاتا ہے، اور اردو میں ان ہی معنی کیلئے "بچا" استعمال ہوتا ہے۔ ۱۲

تشریح..... اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، کبریٰ کے ایک مردار بچے پر آپ کی نظر پڑتی ہے، گھنٹن سے منہ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اُس کی اس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں، اور اُن کو بتلاتے ہیں کہ یہ مردار بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے۔ اس لئے اپنی طلب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ، بلکہ آخرت کے طالب بنو۔

(۲۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا خَرِبَةً. (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پڑ کے برابر بھی ہوتی، تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... یعنی خدا و رسول کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے، (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ہے، وہاں کسی دشمن خدا کو ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت

(۲۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

تشریح..... قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھالیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ چار و ناچار ہر معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اسکو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے۔ اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کیلئے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گزارے گا، اور اس کی ہر

خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی، نیز لاکھوں برس گزرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں آٹائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا غَالِبُونَ ﴿٤٣﴾ (زخرف: ۴۳-۴۱)

جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے دل چاہیں، اور جسکے نظارہ سے تمہاری آنکھوں کو لذت و سرور حاصل ہو، اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

اور سورہ کہف میں فرمایا گیا:

لَا يَنْفَكُونَ عَنْهَا جَوْلًا

جنتی جنت سے کہیں اور منتقل ہو نہ چاہیں گے۔

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گذاریں، اور دنیا سے جی نہ لگائیں، اور حقیقت پیش نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگانا، اور اس کے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلب بنانا کا فرانہ طریقہ ہے، پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے، جس میں ہر مؤمن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مؤمن ہے، اور اگر اس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلوب بنالیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

دنیا فانی ہے اور آخرت نغیر فانی، اسلئے آخرت کے طالب بنو

﴿٢٩﴾ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِإِخْوَانِهِ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ مَا يَنْفَعُهُ عَلَى مَا يَنْفَعُهُ. (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا، اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، پس (جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضہ یہی ہے کہ) فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں، باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔ (مسند امام ربیع بن خثیمہ)

تشریح: ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اصل فکر و سعی دنیا ہی کے واسطے ہوگی اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پیش پشت ذل دے گا، یا اسکے لئے بہت کم جد و جہد کرے گا، جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔

اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنائے گا، اس کی اصلی سعی و کوشش آخرت کے لئے ہوگی اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جد و جہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا پرست نہ سمیٹ

کے گا، پس صاحبِ ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جانے والی ہے۔

اللہ سے تعلق کے بغیر یہ دنیا لعنتی ہے

۳۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا آيَ إِلَّا الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا دُخْرُ اللَّهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُصَلِّمٌ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اُس پر خدا کی پھینکا رہے، اور اس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور اُن چیزوں کے، جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلم کے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مردار ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اُس کے لئے کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اس سے تعلق ہے، خاص کر علم دین کے حاملین اور متعلمین سوائے اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، لیکن جو چیزیں اور جو اعمال و اشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا ان ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور اور محروم اور قابلِ لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اُس کے تعلق سے، اور دین کے علم اور اُس کے تعلم سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی مستحق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

طالبِ دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا

۳۱ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلْ مِنْ أَحَدٍ يَمْشِي عَلَى الْمَاءِ إِلَّا ابْتَلَتْ لَدَ مَا؟ قَالَ لَا إِلَّا بِمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَذَلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوبِ -

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے، اور اُس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا: حضرت! ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا: اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (شعب الایمان المختصر)

تشریح..... صاحب الدنیا (دنیا دار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اُس میں لگے، ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو، اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیا دار نہ

ہوگا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ یہ مضمون بعض حدیثوں میں آگے صراحت سے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے

(۳۲) عَنْ كَثَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَبْطُلُ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَةَ الْمَاءِ. (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ۔ کثادہ بن نعمان سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کرتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جبکہ اُس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہو)۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے دنیا دراصل وہی ہے جو اللہ سے غافل کرے، اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ کھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے اُن کو نوازنا چاہتا ہے، اُن کو اس مردار دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو سرائے سمجھو

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِقَالٍ مِّنْ لِّى الدُّنْيَا كَأَنَّكَ حَرِيبٌ أَوْ غَابِرٌ سَبِيلٍ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دونوں مونہے پکڑ کے مجھ سے ارشاد فرمایا، کہ: دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے، یا راستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری)

تشریح۔ یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گزر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لے لے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مومن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہ گزر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اُس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس دنیوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے، کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اُسی دنیا میں ہے۔ جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کر لی، اُن کی زندگی اور اُن کی سیرت اُسی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اُن کی منشاء کے مطابق ہو گئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کر سکے، اُن کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد

پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

دنیا اور آخرت پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

(۳۴) عَنْ عُمَرَ أَيْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ: أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا عَرْضٌ حَاضِرٌ بِأَكْلِ مِنْهُ الْبُزْ وَالْقَاجِرُ أَلَا وَإِنَّ الْأَجْرَةَ أَجَلٌ صَادِقٌ وَتُغْنِي لَهَا مَلَكٌ لَا دِرَّ وَلَا وَانٌ الْغَيْرُ كُلُّهُ بَعْدًا لِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ أَلَا وَإِنَّ الشَّرَّ كُلَّهُ بَعْدًا لِغَيْرِهِ فِي النَّارِ أَلَا لَاعْمَلُوا وَأَتَمُّ مِنْ اللَّهِ عَلَى حَلْبٍ وَاعْمَلُوا أَنْتُمْ مُعْرِضُونَ عَلَى أَعْمَالِكُمْ لِمَنْ يَعْمَلْ مِثْلَ كُرَّةٍ غَيْرًا ثَرَةً وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْلَ كُرَّةٍ خَرًّا ثَرَةً۔ (رواہ الشافعی)

ترجمہ۔ حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اُس خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ: بس لو، اور یاد رکھو کہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اُس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اُس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقرر وقت پر آنے والی ایک سچی اصل حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشگواہی اور اس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں، اور سارا شر اور دکھ اُس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار، خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے دُزخ برابر کوئی نیکی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی دیکھ لیگا، اور جس نے دُزخ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

تشریح۔ انسان کی سب سے بڑی بد بختی اور سیکڑوں قسم کی بد کاریوں کی جڑ بنیادی یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گزارے، اور اپنی نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنالے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے، اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا یقین اُن کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ حضور ﷺ کے اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

تعمیہ۔ یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت کم ہو گیا ہے، گویا نہیں رہا

ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے جس قسم کی باتیں مادی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کی جاتی ہیں۔

دنیا سے نہ لپٹو، آخرت کے طالب بنو

(۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ أَخَوْتُ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْهَوَىٰ وَطُولِ الْأَمَلِ لَأَمَّا الْهَوَىٰ لَيُضِلُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُولُ الْأَمَلِ لَيُنْسِي الْأَجْرَةَ وَهَذَا الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهَذِهِ الْأَجْرَةُ مُرْتَحِلَةٌ لَدَائِمَةٌ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَنُو لَانَ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَكُونُوا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَلَا تَعْمَلُوا لِنَفْسِكُمْ الْيَوْمَ فِي دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَآتَعُمُ الْغَدَاةَ فِي دَارِ الْأَجْرِ وَلَا عَمَلَ .

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں، ان میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہوں اور طُولِ اَمَل ہے، (ہوئی سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے اور طُولِ اَمَل یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ ہوئی تو آدمی کو قبولِ حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبولِ حق اور اتباعِ ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طُولِ اَمَل (یعنی لمبی لمبی آرزوئیں دل بھنس جانا) آخرت کو بخلا دیتا ہے اور اس کی فکر اور اُس کیلئے تیاری سے غافل کر دیتا ہے، (اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا و مہم چلی جا رہی ہے، گزر رہی ہے (کہیں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چل پڑی ہے، چلی آ رہی ہے اور ان دونوں کے بیچ ہیں، (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بچائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے اس کے بیچ نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دارِ العمل سمجھو) تم اس وقت دارِ العمل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کر کے) دارِ آخرت میں پہنچ جانے والے ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہوگا، اور ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ پائے گا)۔

تشریح رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اُمت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطر و ظاہر فرمایا ہے، اور اُمت کو ان سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے، ایک ہوئی اور دوسرے طُولِ اَمَل۔ غور سے دیکھا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو بیماریوں نے امت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے، جن لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گمراہیاں ہیں، وہ ہوئی کے مریض ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طُولِ اَمَل اور

حب دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں، اور علاج یہی ہے جو حضور ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا۔ یعنی اُنکے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصل مقام ہے۔ جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دولت کی افراط کا خطرہ اور رسول اللہ ﷺ کی آگاہی

(۳۶) عَنْ عُمَرُو بْنِ عَوْفٍ قَالَ لَمَّا رَسُوهُ ﷺ لَوْلَا ﷲُ لَا الْفَقْرَ أَخْضَعِي عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْضَعِي عَلَيْكُمْ أَنْ تَبْسُطَ عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا كَمَا بَسَطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَاسَلُوهَا كَمَا تَنَاسَلُوهَا وَتُهْلِكُكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ضرور ہے، کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے، جیسے کہ اُس نے اُن اگلوں کو برباد کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ تھا، کہ جب اُن کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو اُن میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے، اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے اُن کو تباہ و برباد کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا۔ اس حدیث میں آپ نے اِزراہِ شفقت اُمت کو اس خطرے سے آگاہ کیا ہے، اور فرمایا ہے، کہ تم پر فقر و ناداری کے حملے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آ جانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔ آپ کے اس ارشاد کا مقصد وہ عاقل خوش فتنہ کی خطرناکی سے اُمت کو خبردار کرنا ہے، تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے بُرے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

اس اُمت کا خاص فتنہ دولت ہے

(۳۷) عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ لَمَّا سَمِعْتُ رَسُولَ ﷲِ صَلَّى ﷲُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّةٍ الْمَالُ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: کعب بن عیاضؓ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر اُمت کیلئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی کہ وہی اس امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اُسے صاف محسوس ہوگا کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور بلاشبہ یہ ہی اس کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدا پرستوں اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

حب مال اور حب جاہ دین کیلئے قاتل ہیں

(۳۸) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ لَأَنَّ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا ذُنُوبَانِ جَالِعَانِ أَوْ مِلَا فِي حُلْمٍ بِأَفْسَدَلَهَا مِنْ حِرْصِ الْفُجْرَةِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِلْبَيْتِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

تشریح کعب بن مالک سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دو بھوکے بھڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، اُن بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزت و جاہ کی حرص کرتی ہے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ حب مال اور حب جاہ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چھوڑے ہوئے بھوکے بھڑیے ان بکریوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مال کی اور دنیا کی محبت بڑھاپے میں تجھی جو ان رہتی ہے

(۳۹) عَنْ أَنَسٍ لَأَنَّ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرُمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُ فِيهِ الْفَتَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْفُجْرَةِ۔ (رواہ البخاری و مسلمہ)

تشریح حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اسکی ساری قوتیں مضحل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اسکے نفس کی دو خصائیں اور زیادہ جوان اور طاقت ور ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دولت کی حرص، اور دوسری زیادتی عمر کی حرص۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

تشریح تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے، کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اُسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اُس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی معضرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا۔ یہاں تین مسائل کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب پیچاری یہ عقل بھی مضحل اور کمزور پڑ جاتی ہے، تو ان

خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں "بوس" کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے، کہنے والے نے صحیح کہا ہے:-

تجمائے خوئے بد محکم شدہ قوت برکندن آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ لُبُّ الْكَبِيرِ حَابًا فِي النَّفْسِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَكُلِّ الْأَمَلِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے، ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی لمبی تمنائیں۔

تشریح جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے لیکن جن بندگانِ خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم و یقین نصیب ہو، اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بجائے حبِ دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضاءِ الہی اور نعمائے اخروی کا اشتیاق اور اس کی تمتا بزحما ہے۔ یہ بھی ان کے دل میں مسلسل بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر اگلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

دولت میں اضافے کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی

(۴۱) عَنْ أَبِي عُبَايَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ كَانَ لِأَبْنِ آدَمَ وَآدِيَانٍ مِنْ مَالٍ لَا يَبْغِي لَأَبَا وَلَا مَخْلُودًا جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَتَوْبُ اللَّهِ عَلَيْهِ مَنْ قَابَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں، تو وہ تیسرا اور چاہے گا، اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دولت کی اس نہ ختم ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جا کر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کر لے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے، اگر دولت سے اُن کا گھر بھی بھر اہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں، تب بھی اُن کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں، اور زندگی کی آخری سانس تک اُن کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قبر ہی میں جا کر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے اُن کو چھٹکارا ملتا ہے۔ البتہ جو بندے دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رخ اللہ کی طرف کر لیں، اور اُس سے تعلق جوڑ لیں،

اُن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور اُن کو اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں اطمینانِ قلب اور غنائے نفس نصیب فرمادیتا ہے، اور پھر اس دنیا میں بھی اُن کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گزرتی ہے۔ طالبِ آخرت کا قلب مطمئن رہتا ہے، اور طالبِ دنیا کا دل پر اُگندہ اور غیہ مطمئن:

(۴۲) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الْآخِرَةِ جَعَلَ اللَّهُ غَنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ سَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللَّهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَقَّتْ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَلَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ. (رواہ الترمذی ورواہ احمد والدارمی)

ترجمہ۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نیت اور اُس کا مقصد اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان، اور مخلوق کی محتاجی کی کیفیت) اُس کے دل کو نصیب فرمادیں گے، اور اُس کے پر اُگندہ حال کو درست فرمادیں گے۔ اور دنیا اُس کے پاس خود بخود میل ہو کر آئے گی۔ اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اُس کی بیچ پیشانی میں اُس کے چہرے پر پیدا کر دیں گے، اور اُس کے حال کو پر اُگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اُس کو خاطرِ جمع کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تنگ و دو کے بعد بھی) یہ دنیا اُس کو بس اُسی قدر ملے گی جس قدر اُس کے واسطے پہلے سے مقدر ہو چکی ہوگی۔ (اس حدیث کو حضرت انس سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث کو لہان کی روایت سے حضرت زید بن ثابت انصاری سے روایت کیا ہے)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت کی فلاح ہی کو اپنا اصل مطلوب و مقصود بنالیتا ہے تو اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بارے میں اس کو وقعت نصیب فرما کر اُس کے دل کو طمانیت اور جمعیت خاطر نصیب فرمادی جاتی ہے، اور دنیا میں سے جو کچھ اُس کے لئے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے خود اُس کے پاس آجاتا ہے۔ اور اسکے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنالیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشاں حالی اُس پر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کے چہرے پر اور اُس کی بیچ پیشانی میں اُس کے آثار نظر آتے ہیں۔ اور دنیا کی طلب میں خون پسینہ ایک کر دینے کے بعد بھی اس طالبِ دنیا کو بس وہی ملتا ہے، جو پہلے ہی سے اس کے لئے مقدر ہے۔ پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے، اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اس کی طرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی فکر ہونی چاہئے۔

دوست! میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے؟

(۴۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي وَإِنَّ مَالَهُ مِنْ مَالِهِ ثُلُثٌ مَا

اَكْلَ لَفَنِيْ اَوْ لَبَسَ لَفَنِيْ اَوْ اَعْطٰى لَفَنِيْ وَمَا يَسُوْىْ ذٰلِكَ لَهُوَ ذَا هَبْ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اُس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے، وہ بس تین میں ہیں، ایک وہ جو اُس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پڑا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا، اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لئے اُس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔ (مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کمائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے واقعہ اور حقیقۃً اس کا بس وہی ہے جو اُس نے کھانے پہننے کی ضروریات میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ در حقیقت اُس کا نہیں ہے۔ بلکہ ان وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

۴۴ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَيُّكُمْ مَالٌ وَّارِثُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهِ لَوْلَا يَأْتِي رَسُولُ اللَّهِ مَا مِثْلَا اَحَدٍ اِلَّا مَالُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالٍ وَّارِثُهُ قَالَ لَئِنْ مَالُهُ مَا قَلَّمْ وَمَالٌ وَّارِثُهُ مَا اَخَّرَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ (یعنی اپنے ہاتھ میں مال آنے سے زیادہ محبوب جس کو اپنے وارثوں کے ہاتھ میں مال آتا ہو؟) لوگوں نے عرض کیا: ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اُس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اُس کو نہ ملے، بلکہ اُس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اُس نے آگے چلا کر دیا، اور جس قدر اُس نے بعد کے لئے رکھا وہ اُس کا نہیں ہے، بلکہ اُس کے وارثوں کا ہے۔ (لہذا ادائش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کیلئے چھوڑنے سے زیادہ فکر، اپنی آخرت کیلئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ سنتِ سینت کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صرف بھی کرتا رہے۔) (صحیح بخاری)

۴۵ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَنْبَغِيْ بِهِ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَلَّمْ وَلَالِ بَنُوْا دَمَ مَا خَلَفَ۔ (رواہ البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب مرنے والا مرنے کے وقت فرشتے کہتے ہیں، اور پوچھتے ہیں، کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمال خیر کئے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ، اس نے

(شعب الایمان المستفی) کتنا مال چھوڑا؟

دولت کے بندے خدا کی رحمت سے محروم

(۴۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَعَنَ لَعْنَهُ الدِّينَارُ وَلَعَنَ عَبْدُ الْبِرِّهِمِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بندہ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندہ دینار ہم خدا کی رحمت سے دور رہے۔ (ترمذی)

تشریح: جو لوگ مال و دولت اور دنیا و دنیا پرستار کے پرستار ہیں، اور انہوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مطلوب بنالیا ہے اس حدیث میں اُن سے بیزاری کا اعلان اور اُن کے حق میں بددعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دور رہیں۔

مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اُس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد، کہ مجھے تجارت اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

(۴۷) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَوْجَى إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُونُ مِنَ الْتَّاجِرِينَ وَلَكِنْ أَوْجَى إِلَيَّ أَنْ سَيِّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَتَكُنَ مِنَ السَّاجِدِينَ وَأَعْبُدَ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ. (رواہ لمی شرح السنہ)

ترجمہ: جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق ارسل^۱ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی، اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں، اور تجارت و سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں۔ بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہ، اور ہو جا اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے اور کئے جا بندگی اپنے پروردگار کی، موت آنے تک۔ (شرح السنہ)

تشریح: جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت و غیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود اُن تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری، راستبازی اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے لینا تھا، اُس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور

۱ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث اُن کو پہنچی ہوتی ہے اُن کا ذکر نہیں کرتے، ایسی حدیث مُرْسَل کہلاتی ہے، اور تابعی کے اس طرح حدیث بیان کرنے کو

”ارسل“ کہتے ہیں۔ ۱۲

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اس فکر سے فارغ بھی فرمادیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو اُن ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔ آپ کے امتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خالص متوکلانہ طرز زندگی کو اپنے لئے پسند کریں، اور اس راستے کے شہداء و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت اُن کو میسر ہو، تو اُن کیلئے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جنکا یہ حال نہ ہو، اُن کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا حاکم ہمارے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش اور آپ ﷺ کی فقر پسندی

(۴۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي أَنْ يَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ دَعْبًا فَلَقُلْتُ لَا بَارِبَ وَلَكِنْ أَضْعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا لَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَكَفَرْتُكَ وَإِذَا ضِغْتُ حَمِدْتُكَ وَحَسَرْتُكَ۔ (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ۔ ابو امامہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے وہ مکہ کی وادی کو (یا اُس کے سنگریزوں کو) سونا بنا دے، اور سونے سے بھر دے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی گئی، کہ اگر تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکتے ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں (ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں، کہ) ایک دن پیٹ بھر کھاؤں، اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں، آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ و زاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے مجھے کھانا ملے اور میرا پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فقر و فاقہ کی جس حالت میں زندگی گزاری، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے اس کو خود مانگا تھا۔ (آپ کی معیشت سے متعلق حدیثیں عنقریب ہی مستقل عنوان کے تحت درج کی جائیں گی)۔

سب سے زیادہ قابلِ رشک بندہ

(۴۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ انْهَبْتُ أَوْلِيَاءِي عِنْدِي لِمُؤْمِنٍ خَفِيفُ الْحَادِ ذُو حِطَّةٍ مِنَ الصَّلَاةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَةَ لِي السِّتْرِ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يَشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ وَكَانَ رِزْلُهُ كَهَفَالَا فَصَبَرَ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهِ لِقَالَ عَجِلْتُ مَبِيتُهُ فَلَقْتُ بَوَاحِيَهُ قُلْ تَرَاهُ۔ (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

ترجمہ ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مؤمن ہے، جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز اُس کا بڑا حصہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفت احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو، اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اُس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو، اور وہ اس پر صابرو قانع ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی چٹکی بھائی (جیسے کہ کسی چیز کے جو جانے پر اظہار تعجب یا اظہار حیرت کیلئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اس کو موت، اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں، اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۰۰)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان و احوال مختلف ہیں، لیکن اُن میں بہت زیادہ قابل رشک زندگی اُن اہل ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، مگر نماز اور عبادات میں اُن کا خاص حصہ، اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی اُن کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں، اور ان کی روزی بس بقدر کفاف، لیکن وہ اس پر دل سے صابرو قانع۔ جب موت کا وقت آیا، تو ایک دم رخصت، نہ پیچھے زیادہ مال و دولت، اور نہ جائیداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ اُن پر رونے والیاں۔

بلاشبہ بڑی قابل رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور الحمد للہ کہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا ب بھی خالی نہیں ہے۔

خوش ساق چاہئے، الی بیوی کو ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا جواب

۵. عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ كَانَتْ لَأَبِي الدَّرْدَاءِ مَالٌ لَا تَطْلُبُ حَمًا يَطْلُبُ لَفْلًا لَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَانَكُمْ عَقَبَةُ كُفُودًا لَا يَجُوزُهَا الْمُغْلُولُونَ لَأَجِبَ أَنْ تَحْتَفِفَ لِيْلِكَ الْعَقَبَةُ. (رواد البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابو الدرداءؓ کی بیوی ام الدرداء سے روایت ہے کہ میں نے ابو الدرداء سے کہا کہ: کیا بات ہے، تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گزار گھاٹی ہے، اُس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے۔ اسلئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اُس گھاٹی کو عبور کرنے کیلئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

(شعب ایمان المستفی)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے اخیر دور حیات میں، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی سورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال آتے تھے، اور طالبین اور اہل حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور ان کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ ملتا تھا، جس سے ان کا گذارہ آسان ہو جاتا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرام اس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، ان ہی میں سے حضرت ابوالدرداءؓ بھی تھے، وہ آخرت کے محاسبہ اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے امن اسی میں سمجھتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے، اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتلایا تھا کہ آخرت کی دشواریاں گھٹانوں کو وہ ہی لوگ آسانی سے عبور کر سکیں گے جو دنیا میں ملے پھلے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لادیں گے، وہ آسانی سے ان گھٹانوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو

(۵۱) عَنْ مُحَمَّدٍ بْنِ لَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَئِنْ إِنَّا بَطَرَهُمَا إِنَّ أَدَمَ يَكْفُرُهُ الْمَوْتُ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْفُرُهُ قِلَّةُ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ أَقْلٌ لِلْحِسَابِ - (رواه أحمد)

ترجمہ محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کیلئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ملکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

تشریح: واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے مالاکنکہ موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، اور مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو، تو اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

(۵۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيرَ الْمُتَّقِفَ أَبَا الْيَعَالِ - (رواه ابن ماجه)

ترجمہ عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مومن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود باعفت ہو (یعنی ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

تشریح..... بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی عمرات و مشتبہات سے اپنی حفاظت کرے، اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگان خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ ﷺ کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے محبوب ﷺ والی، جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی ان کیلئے سامانِ راحت و لذت بن جائیں۔

اپنی بھوک اور حاجتمندی کو لوگوں سے چھپانے والے کیلئے اللہ کا وعدہ

(۵۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ جَاعَ أَوْ اخْتَجَعَ لِحُكْمَةِ النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُرْزَقَ رِزْقًا مَبْرُورًا. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھوکا ہو، یا اُس کو کوئی اور خاص حاجت ہو، اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی اُن کے سامنے ظاہر کر کے اُن سے سوال نہ کرے) تو اللہ عز و جل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمایا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اسکی شانِ کریبی پر دل کے پورے یقین کیساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاء اللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

زُہد اور اُسکے ثمرات و برکات

زُہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کیلئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زُہد کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی اُمت کو زُہد کی بڑی ترغیب دی ہے، اور اس کے بہت کچھ دینی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

زُہد اختیار کرو، اللہ کے، اور بندوں کے محبوب بن جاؤ گے

(۵۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ لِقَاءَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ دُلِّيَ عَلَى عَمَلٍ إِذَا آتَا عَمَلَتْهُ أَحَبَّتْهُ اللَّهُ وَأَحَبَّتْهُ النَّاسُ قَالَ إِيْزِدْ لِي الدُّنْيَا يُجِبْكَ اللَّهُ وَأَزْهَدْ لِي مَا عِنْدَ النَّاسِ يُجِبْكَ النَّاسُ.

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ۔ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتلائیے کہ جب میں اس کو کروں، تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے، اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں، آپ نے فرمایا، کہ دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رخی اختیار کرلو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بے رخی اختیار کرلو، تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ (ترمذی، ص ۱۰۱)

تشہید یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی محبت اور چاہت ہی آدمی سے وہ سارے کام کراتی ہے، جن کی وجہ سے وہ خدا کی محبت کے لائق نہیں رہتا، اسلئے اللہ کی محبت حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ دنیا کی چاہت اور رغبت دل میں نہ رہے۔ جب دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی، تو دل اللہ کی محبت کے لئے فارغ ہو جائے گا، اور پھر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایسی خالص ہونے لگے گی، کہ وہ بندہ اللہ کو محبوب اور پیارا ہو جائے گا۔ اس طرح جب کسی بندہ کے متعلق عام طور سے لوگ یہ جان لیں کہ یہ ہماری کسی چیز میں حصہ نہیں چاہتا، نہ یہ مال کا طالب ہے، نہ کسی عہدہ اور منصب کا، تو پھر لوگوں کا اس سے محبت کرنا گویا انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔

فائدہ زہد کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ جس شخص کیلئے دنیا کی لذتیں اور راحتیں حاصل کرنے کے مواقع ہی نہ ہوں، اور اس مجبوری کی وجہ سے وہ دنیا میں عیش نہ کرتا ہو، وہ زہاد نہیں ہے، زہاد وہ ہے جس کیلئے دنیا کے عیش و تنعم کے پورے مواقع میسر ہوں، مگر اسکے باوجود وہ اس سے دل نہ لگائے اور متعتمین کی سی زندگی نہ گزاریے۔ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو زہاد کہہ کے پکارا، انہوں نے فرمایا، کہ: زہاد تو عمر بن عبدالعزیز تھے، کہ خلیفہ وقت ہونے کی وجہ سے دنیا گویا ان کے قدموں میں تھی، لیکن انہوں نے اس سے حصہ نہیں لیا۔

زہادوں کی صحبت میں رہا کرو

۵۵ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ خَلَدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطَى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَلِلَّهِ مَنْطِقٌ فَافْتَرَبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلْقِي الْحِكْمَةَ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو خلدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اُس کو زہد، یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی و بے رخی اور کم تخی (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو اُس کے پاس اور اُس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القابہوتا ہے۔

(شعب الایمان، ص ۱۰۱)

تشہید حکمت کے القابہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اُس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اس لئے اُس کی صحبت کیسا اثر ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حکمت

کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
جس کو حکمت عطا کی جائے، اُس کو خیر کثیر عطا کیا گیا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو اختصار

۵۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهَدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ وَانْطَقَ بِهَا لِسَانُهُ وَبَصُرَهُ عَيْنُ الدُّنْيَا وَدَاءَ مَا وَاعْرَجَهُ مِنْهَا سَالِمًا إِلَى دَارِ السَّلَامِ۔ (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے، اور اس کی خوش بختی و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رخی اختیار کر لے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو اگائے گا، اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کرے گا، اور دنیا کے عیوب اور اس کی یہ ریاں اور پھراس کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھا دے گا، اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا۔

(شعب - بیان حدیث)

تشریح: اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القا کی جاتی ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی، اس حدیث میں:

أَنْبَتَ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ
اللہ اُس کے دل میں حکمت اگاتا ہے

کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنکے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشوونما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُنکی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے عیوب و امراض گویا اُن کو آنکھوں سے دکھا دیئے جاتے ہیں، اور ان کے علاج معالجہ میں بھی اُن کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے۔ اور دوسرا خاص انعمان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھاتا ہے اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دارالسلام جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گذارتے

(۵۷) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهِ إِلَى الْيَمَنِ لَالِ الْيَاكُ وَالْتَنَعَمَ لِأَنَّ عِبَادَ اللَّهِ لَيُسَوُّوا بِالْمَتَّعِينَ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ معاذ آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

تشریح دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گذارنا اگرچہ حرام اور ناجائز نہیں ہے لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں تنعم کی زندگی اختیار نہ کریں: الْمُنْعَمُ لَا عِيشَ إِلَّا عِيشَ الْآخِرَةِ جب کسی بندہ کو شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے تو اس کی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر نمایاں ہو جاتی ہے

(۵۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ"۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ التَّوْرَ إِذَا دَخَلَ الصُّدْرَ انْفَسَحَ لِقَبْلِ بَا رَسُولِ اللَّهِ هَلْ يَلِيكَ مِنْ عِلْمٍ يَغْرِفُ بِهِ لَالِ نَعَمَ الشَّجَاعِيُّ مِنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِنَابَةِ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالْإِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ لُزُومِهِ۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اپنی راہ پر لگائے اور اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب فرمائے، تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے یعنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کیلئے اس کا دل کھول دیا جاتا ہے) یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد اس کی تفصیل اور تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: نور جب سینہ میں آتا ہے تو سینہ اس کی وجہ سے کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اس حالت کی کوئی علامت بھی ہے جس سے اس کو پہچانا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ نہاں! اذنیما جو سو کے فریب کی جگہ ہے اس سے طبیعت کا ہٹ جانا اور اُچاٹ ہو جانا (یعنی توبہ و استغفار، اور معاصی سے اجتناب، اور عبادت کی کثرت کے ذریعہ موت کی تیاری کرنا)۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو اپنی خاص عبدیت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک خاص نور اور جذبہ کہ ربانی پیدا کر دیتا ہے، جس سے اس کا سینہ عبدیت والی زندگی کیلئے کھل جاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجے میں دنیا سے بے رغبتی و بے رخی اور آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کی لقا اور جنت کا شوق اور اس کی تیاری یہ ساری چیزیں اس کی زندگی میں ابھر جاتی ہیں، اور ان کے ذریعہ اس بات کو جاننا سکتا

ہے کہ اس بندہ کو وہ خاص نور نصیب ہو گیا، اور جذبہ ربانی اس کے دل میں ڈال دیا گیا ہے۔

اس امت سے صحابہ کرام، یقین اور زہد ہے

(۵۹) عَنْ عُمَرُو بْنِ حُفَیْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوَّلُ صَلَاحٍ هَلَاهُ الْأُمِّيَّةُ الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ وَأَوَّلُ لُفْسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ۔ (رواد البیہقی فی شعب الایمان)

روایت ہے عمرو بن حنیف سے، وروایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وروایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس امت کی پہلی نیکی اور بہتری یقین اور زہد ہے اور اس کی پہلی خرابی بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو ہے۔

۱۔ یقین اور زہد

تشریح مطلب یہ ہے کہ اس امت کی صلاح و فلاح اور اسکے کمالات و ترقیت کی بنیاد اس کی دو صفاتیں تھیں، ایک یقین اور دوسری زہد، اور جب امت میں بگاڑ شروع ہو گا تو سب سے پہلے یہی دو صفاتیں اس میں سے جائیں گی، اور ان کی ضد بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو آئے گی، اور اس کے بعد خرابیوں اور برائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور امت برابر گرتی ہی چلی جائے گی۔

شارحین نے جیسا کہ لکھا ہے: اس حدیث میں یقین سے مراد خاص اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے اور جو اچھی یا بری حالت کسی پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے اور اللہ کے فیصلہ سے آتی ہے اور زہد کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے یہ کہ دنیا سے دل نہ لگایا جائے، اور اس کی ناپائیدار لذتوں اور راحتوں کو مطلوب و مقصود نہ بنایا جائے، اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آدمی اللہ کے راستے میں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے جان و مال خرچ کرنے میں نخل نہیں کرتا، یعنی صاحب یقین اور زہد کے لئے کسی اچھے مقصد کے لئے اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر دینا اور خطرات میں کود پڑنا آسان ہو جاتا ہے، اور یہی مومن کی ساری ترقیوں کی بنی ہے، اور جب مومن ان صفات سے خالی ہو جائے، یعنی بجائے اللہ پر یقین کے اس کا یقین اپنے مال پر ہو جائے، اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر مال میرے پاس ہو گا تو زندگی اچھی گزرے گی، اور مال نہ ہو گا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں ضرور نخل پیدا ہو جائے گا، اور اسی طرح جب زہد کی صفت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب و مقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی خواہش لازماً اس کے دل میں پیدا ہو جائے گی جس کو حدیث میں امل سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ بخل اور امل پیدا ہو جانے کے بعد مومن اپنے اصل مقام سے گرتا ہی چلا جائے گا۔

① رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں آتا ہے: ”اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الدِّينَ - سِرِّسِي رَحْمَةً وَحَسَنَةً عَمَلًا -

لَا يَصْبِي إِلَّا مَا كُنْتُ لِي“ اور ایک اور دعا کے الفاظ ہیں: ”اللّٰهُمَّ اِقْصِلْ لِي مِنَ الْفِتَنِ مَا يَهْدِي بَدْعُ الْغُلَبِ

مُصَانَّبِ الدِّينِ“ ان دونوں دعاؤں میں بھی یقین کا یہی مطلب ہے۔ ۱۲

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی خاص غرض و غایت اور اس میں امت کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ امت کی صلاح و فلاح کیلئے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی پوری فکر اور جدوجہد کی جائے، اور غفل اور امل (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے، امت کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے۔

زہد کیا ہے، اور کیا نہیں

۶۰. عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزُّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِسَاعَةِ الْمَالِ وَلَكِنَّ الزُّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدِكَ أَزَقُّ مِمَّا فِي يَدَيْ اللَّهِ وَأَنْ تَكُونَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا أَنْتَ أَصِيبْتَ بِهَا أَرْغَبَ إِلَيْهَا لَوْلَاهَا أَهْبَيْتَ لَكَ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنیا کے بارے میں زہد اور اس کی طرف سے بے رغبتی (جو خاص ایمانی صفت ہے) وہ حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے اور اپنے مال کو برباد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس اور تمہارے ہاتھ میں ہو، اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو اس پر ہو جو اللہ کے پاس اور اللہ کے قبضہ میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی تکلیف اور ناخوش گواہی پیش آئے تو اس کے اخروی ثواب کی چاہت اور رغبت تمہارے دل میں زیادہ ہو بہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ تکلیف اور ناگواری کی بات تم کو پیش ہی نہ آتی۔

(ترجمہ: ابن ماجہ)

تفسیر: بہت سے لوگ ناواقفیت سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی دنیا کی ساری نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لے، نہ کبھی لذت کھانا کھائے، نہ ٹخنہ پانی پئے، نہ اچھا کپڑا پہنے، نہ کبھی اچھے نرم بستر پر سوئے اور اگر کہیں سے کچھ آجائے تو اس کو بھی اپنے پاس نہ رکھے، خواہ جلدی سے کہیں پھینک ہی دے، رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی غلط خیالی کی اصلاح فرمائی ہے، آپ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا استعمال بندوں کے لئے حلال کیا ہے، آدمی ان کو اپنے اوپر حرام کر لے، اور اگر روپیہ پیسہ ہاتھ میں آئے تو اسے برباد کر دے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اپنے پاس اور اپنے ہاتھ میں ہو اس کو فانی اور ناپائیدار یقین کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے، اور اس کے مقابلہ میں اللہ کے غیر فانی نعمی خزانوں پر اور اس کے فضل پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرے، اور دوسرا معیار اور دوسری علامت زہد کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کوئی تکلیف اور مصیبت بندہ کو پہنچ جائے تو اس کے اخروی اجر و ثواب کی چاہت اور رغبت اس کے دل میں اس مصیبت اور تکلیف کے نہ پہنچنے کی آرزو سے زیادہ ہو یعنی بجائے اس کے کہ اس کا دل اُس وقت یہ کہے کہ کاش یہ تکلیف مجھے نہ پہنچی ہوتی، اس کے دل کا احساس یہ ہو کہ آخرت میں مجھے اس تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا، انشاء اللہ وہ

تکلیف نہ پہنچنے کے مقابلے میں میرے لئے ہزاروں درجہ بہتر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کا یہ حل جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس کو عیش دنیا کے مقابلہ میں عیش آخرت کی زیادہ فکر ہو، اور یہی زہد کی اصل و اساس ہے۔ اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں کو اس دنیا میں غافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرنی چاہئے اور دوسری حدیثوں میں اس سے صریح ممانعت آئی ہے اور صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے غافیت اور خیریت ہی کی دعا اور استغاثہ کیا کرو (سلو اللہ العافیۃ) اور خود آپ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، پس حضرت ابوذرؓ کی مندرجہ بالا حدیث کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس دنیا میں مصائب اور تکالیف کی دعایا تمنا کرے، بلکہ اس کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف بندہ کو پہنچ جائے تو پھر مؤمن کا مقام اور زہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جواز و ثواب آخرت میں ملنے والا ہے وہ اس کو اس کے نہ پہنچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو ان دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

زہد نبوی ﷺ

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیسے رسول اللہ ﷺ کی فقر پسندی

۶۱) عَنْ أَبِي أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَلْفَلْهُمُ أَخِيْنَ مِنْكِنَا وَ أَيْتُنِي مِنْكِنَا وَ أَحْشَرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسْكِينِ - (رواه الترمذی و البیہقی فی شعب الایمان و رواه ابن ماجہ عن ابی سعید)

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکین کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکین کی حالت میں دنیا سے اٹھانا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ (جامع ترمذی و شعب الایمان للبیہقی اور ابن ماجہ نے اسی کو ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے)

تشریح۔ ابھی چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی گئی، کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے تو آپ نے عرض کیا: نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو، اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا اور یہی آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام و منصب تھا، اور جو کارِ عظیم آپ سے متعلق تھا اُس کے لئے یہ فقر و مسکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طہانیت اور رضا و تسلیم نصیب فرمائے تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطہ نظر سے بہ نسبت دولت مند کی فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلْفَلْهُمُ اجْعَلْ رِزْقِي

إِلَى مُحَمَّدٍ لَوْنًا وَلَهُ رَوَايَةٌ كَفَالًا - (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، کہ: اے اللہ! محمد کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفاف ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح۔ اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھروالوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور تبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھروالے ہی ہیں، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے، قوت اور کفاف دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی اور پریشان حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیئے جا سکیں اور دست سوال کسی کے سامنے پھیلا نا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے۔ احادیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اسی طرح گذری ہے۔

حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کے گھروالوں نے کبھی دو دن جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا

۶۳ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَيعَ إِلَى مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَئِذٍ مُتَابِعِينَ حَتَّى لَبِصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھروالوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، یہاں تک کہ حضور ﷺ اس دنیا سے اٹھائے گئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو، اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

۶۴ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ مَرْبُومَ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ شاةً مُضْلِيَةً لَدَعَوْهُ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَلَوْلَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْعِرْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ -

(رواہ البخاری)

ترجمہ۔ سعید مقبری حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے) اور ان کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، اُن لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا، اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لئے اس کھانے میں کیا مزہ ہے، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ) رسول اللہ ﷺ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی آپ نے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں جو تکلیفیں لگائیں وہ
اسی تھیں۔ انہیں بھی میں

(۶۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أُعْطِيَ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُؤْذِنْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذِي أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَيَوْمَ مَا لِي وَلِبَلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ دُوْجِبْدٌ إِلَّا خِيَاءَ يُؤَارِيهِ ابْنُ بَلَالٍ۔
(رواد الترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تیس دنوں رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکتے بجز اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (ابن ماجہ)

تفسیر: رسول اللہ ﷺ نے امت کو سبق دینے کیلئے آپ یقینی سنا کی کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہنچانے کے سلسلے میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گزرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اور جب میں نے ان کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا، اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا، تو ان ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گزرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اٹھانی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اس حالت میں گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دبا رکھا تھا، پورے مہینہ مجھے اور بلال کو اسی پر گزارہ کرنا پڑا۔

رواد: ترمذی، مشکوٰۃ، کتبہ جامعہ دارالحدیث

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ أَلَمَّا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنِ أُخْتِي إِنَّ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهَلَالِ لَفَلَا أَهْلَهُ فِي خَهْرَيْنِ وَمَا أُؤْذِنْتُ فِي الْبَيْتِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارَ فَلَقْتُ مَا كَانَ يُعَفِّكُمُ لَالَتْ الْأَسْوَدَانِ الثَّمَرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ لَقَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِوَارٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَاجِعٌ وَكَانُوا يَمْتَنِعُونَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَبَاتٍ۔

(رواد البخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہؓ سے فرمایا: میرے بھانجے! ہم (اہل بیت نبوت اس طرح گزارہ کرتے تھے کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گزر جاتے تھے) اور حضور ﷺ کے گھروں میں چولہا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ بھرا آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا بس کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) البتہ رسول اللہ ﷺ کے بعض انصاری پڑوسی تھے، ان کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے، وہ

آپ کے لئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور اس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔

(ابن ماجہ)

تشريح مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حضور ﷺ کے گھر والوں پر دودھ مینے ایسے گزر جاتے تھے کہ کسی قسم کا نانا، بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چولہا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضور ﷺ کے لئے دودھ آتا، تو وہ پیوں میں پہنچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!

آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل فاقے

۶۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِثُ اللَّيَالِيَ الْمَتَابَعَةَ طَائِفًا هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عِشَاءً وَآلَمًا كَانَ عِشَاءُ هُمْ خُبْرُ الشَّعِيرِ۔ (رواہ الترمذی)

تشریح حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بہت سے راتیں پے پے اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو ان کرات کا کھانا عام طور سے بس جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ابن ماجہ)

جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرا ایک یہودی کے پاس رہن تھی

۶۸) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلَّتْ تُؤْفَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بَلْفَلَجٍ صَاعًا مِنْ خَمِيرٍ۔ (رواہ البخاری)

تشریح حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حال میں وفات پائی، کہ آپ کی زرا ۳۰ صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ (ابن ماجہ)

تشريح ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین میر کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جو قریب ڈھائی من کے ہوئے۔ حدیث کا مقصد اور منشاء یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حیات مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرما رہا بھی تھے) آپ کے گھر کے گزارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرا رہن رکھ کر آپ نے صرف ۳۰ صاع جو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی یہودی سے قرض لینے کی مناسبت

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جاسکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم

کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے بدیہ وغیرہ کے ذریعے آپ کی خدمت کرنا چاہتے اور اس سے ان پر بار پڑتا، نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے، کہ آپ کے ذریعہ اہل ایمان کو دین کی جو دولت ملی، اُس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دینی فائدہ اُن سے اٹھائیں، اسلئے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں اُن کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا، کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانیں اور ایمان اور رضائے الہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں۔ چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے، مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی ”الکلیۃ“ کے حوالہ سے مدینہ کے ایک بڑے دولتمند یہودی کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضہ کو آیا، تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اس لئے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اُس نے کہا کہ میں تو لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی، اور حضور ﷺ نے اس دوران میں اُس یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں، اور وہ نہیں ملا، بعض صحابہ کو اُس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انہوں نے چپکے چپکے اُس کو ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہدہ پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سُن کر اُن صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اُس یہودی نے کہا، کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھا اور جاننا چاہتا تھا کہ وہ اوصاف و علامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو تورات میں آخری زمانے میں آنے والے پیغمبر کے بیان کئے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں، اسکے بعد اُس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی ساری دولت حضور کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا ”ہذا مالی فاحکم فیہ“۔ اِنَّكَ اللهُ یہ میرا مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اس کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔ (مشکوٰۃ فی السنن، ص ۱۰۰)

خوشحالی کیلئے دعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ کا جواب

۶۹ عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَاذًا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى رِمَالٍ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ لَقَدْ أَكَّرَ الرِّمَالُ بِجَنَبِهِ مُتَكِنًا عَلَى وَسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشَوَهَا لَيْفٌ لَقْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْعُ اللَّهَ فَلْيُؤْتِنِ عَلَيَّ أَمْنِيكَ فَإِنَّ لَارِسَ وَالرُّزْمَ لَقَدْ وَبِعَ عَلَيْهِمُ وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللَّهُ لَقَالَ أَوَلَيْ هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَابِ أُولَئِكَ قَوْمٌ عَجِلَتْ لَهُمْ مَتَابَعَتُهُمْ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَئِنْ رَوَّايَةَ أَمَّا رَضِيَ أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَكِنَّ الْآخِرَةَ (رواد البخاری و مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبور کے پٹھوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں، اور اُس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں اور سر ہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کعبور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ خود ا پرست بھی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں، اور اس لئے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ اُن کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں اُن کو دے دی گئی ہیں اور ایک روایت میں حضور کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے، کہ آپ نے فرمایا اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ اُن کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور ہمارے لئے آخرت کا عیش۔ (بخاری و مسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرمادیجے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں اور چونکہ حضور ﷺ کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اس لئے عرض یہ کیا کہ حضور اپنی امت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی امت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی اس گزارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ اے فرزند خطاب کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اُس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، اُن کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بے چاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں اُن کے عیش و آرام اور اُن کی دولت مندی کو دیکھ کر اُس پر لچکانا اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہئے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام۔

میں اس دنیا میں اُس مسافر کی طرح ہوں جو سایہ کیلئے

کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو

(۷۰) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّ عَلَى حَصِيرٍ لَقَامَ وَلَدُ الْفَرُجِيِّ

جَسَدِهِ لَقَدْ اَبْنُ مَسْعُودٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ تَبْسُطَ لَكَ وَتَعْمَلَ لَقَدْ مَالِي وَ لِلدُّنْيَا وَمَا آتَا الدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ حَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اُٹھے، تو جسم مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعود نے عرض کیا کہ اگر حضور فرمائیں تو ہم حضرت کے لئے بہتر کا انتظام کریں اور کچھ بنائیں (یعنی آپ سے اس کی اجازت چاہی) ارشاد فرمایا: مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) کیا تعلق اور کیا لینا میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہرے اور پھر اُس کو اپنی جگہ چھوڑ کر منزل کی طرف چل دیا۔

رسول اللہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے سے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا، اور منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، بس یہی میرا حال ہے۔ اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح متکشف ہو جائے تو اُس کا حال اسکے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا۔ اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا، اور اس کے لئے اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کار حماقت معلوم ہو گا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذرا سے وقت کیلئے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دولت کی مذمت اور فقر و زہد کی فضیلت میں گزر چکی ہیں، اگرچہ ان کی تشریح میں جا بجا اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُنَّا فِي مَجْلِسٍ لَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى رَأْسِهِ أَكْرَمَاءُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ تَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ لَأَنْ أَجَلَ قَالَ لَمْ خَاصَ الْقَوْمُ لِي ذِكْرِ الْعِزِّي لَقَدْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِالْعِزِّي لِمَنْ اتَّقَى اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنْ اتَّقَى اللَّهَ خَيْرٌ مِنَ الْعِزِّي وَطَيِّبَ النَّفْسِ مِنَ النِّعَمِ۔

ترجمہ: حضرت

رسول اللہ کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت

بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے، اور آپ کے سر مبارک پر اُس وقت پانی کا اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا اور دل بہت خوش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بری اور دین اور آخرت کیلئے مضرب یا مفید) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اسکے احکام کی پابندی کرے) اُس کے لئے مالداری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحب تقویٰ کے لئے دولت مندی سے بھی بہتر ہے، اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولت مندی اور مالداری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو، یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اور احکام شریعت کی پابندی نصیب ہو تو اس میں دین کے لئے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں کا اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ اُنکے اس مال و دولت ہی کا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ نے ایسے ہی موقعوں پر اُنکے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ دولت مندی کیساتھ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکر آخرت اور اتباع شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے، ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں۔

چوں بدولت برسی مست مگر دی مروی

(۷۲) عَنْ سَعْدِ بْنِ لَاحِقٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْفَقِيرَ الْخَفِيَّ۔

حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس متقی دولت مند بندہ سے جو (تقویٰ اور دولت مندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔

ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اُس کی اس خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دولت مند اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ تقویٰ میں بھی اس بندہؓ کا خاص مقام ہے، جس بندہؓ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

نیک مقاصد کیلئے، نیکی و امانت حاصل کرنے کی نشانی ہے۔

(۷۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اسْتَفْضَا

عَنِ الْمَسْئِلَةِ وَ سَعَى عَلَى أَهْلِهِ وَ تَعَطَّفَا عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ وَجْهَهُ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْهَبْرِ وَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا خَلَا مَكَايِرَ مُقَاعِيرَ مُرَائِيَا لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانٌ۔ (رواد البيهقي في شعب الایمان و ابونعیم فی الحلیة)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے، تاکہ اُس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہوگا، کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا۔ اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے، اور اس دولت مند کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھاسکے، اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کیلئے داؤد ہش کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔

(شعب الایمان، بیہقی، حلیہ ابن نمیر)

تشریح: معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا، تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و کرم ہوگا، جس کے نتیجے میں اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہوگا۔ لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے بڑے بڑے کام کرنا ہو، تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۷۴) عَنْ أَبِي حَنْبَلَةَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَكَ أَلَيْسَ عَلَيْهِمْ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا لَأُحْفَظُوهُ لَأَمَّا الَّذِي أَلَيْسَ عَلَيْهِمْ فَإِنَّهُ مَا نَقَصَ مَالٌ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظَلَمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ بِهَا عِزًّا وَلَا فَحَّ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ إِلَّا فَحَّ اللَّهُ عَلَيْهَا بَابَ لَقَرٍ وَأَمَّا الَّذِي أُحَدِّثُكُمْ لَأُحْفَظُوهُ فَقَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا لَا رُبْعَ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَ عِلْمًا لَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَ يَعْمَلُ لِلَّهِ فِيهِ بِحَقِّهِ لَهَذَا بِالْفَضْلِ الْمَنَازِلَ وَ عَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا لَهُوَ صَادِقُ الْيَقِي يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ لَكَ لَنَجُرَّ هُمَا سَوَاءً وَ عَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا لَهُوَ يَتَخَطَّ فِي مَالِهِ لَغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَعْمَلُ فِيهِ رَحْمَةً وَلَا يَعْمَلُ فِيهِ بِحَقِّهِ لَهَذَا بِأَخْثَبِ الْمَنَازِلَ وَ عَبْدٌ لَمْ يَرْزُقْهُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا لَهُوَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ لَكَ لَنَجُرَّ هُمَا سَوَاءً۔ (رواد الترمذی)

ترجمہ ابو کبشہ انصاری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں قسم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کر لو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں، اُن میں ایک تو یہ ہے کہ کسی بندہ کو کامل صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا، (یعنی کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے کبھی مفلس و نادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس خدا کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا، وہ اپنے خزانہ غیب سے اُس کو دیتا رہے گا) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اُس کے عوض بڑھادے گا اُس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر ناحق کوئی ظلم کیا جائے، اور اُس کو ستایا جائے، اور وہ بندہ صبر کرے، تو اللہ تعالیٰ اسکے عوض اس کی عزت و رفعت دنیا میں بھی بڑھائے گا)۔ اور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھوے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ، مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلائے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ فقر و محتاجی اُس پر مسلط ہوگی، گویا یہ تینوں اللہ کے ایسے اہل فیصلے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں)۔ (اسکے بعد آپ نے فرمایا) اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی ہیں) ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے اور صحیح طریق زندگی کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں، اور اسکے ذریعہ صلہ رحمی (یعنی اپنے اعزاء و اقارب کے ساتھ سلوک اور ان کی ہمدردی) کرتے ہیں، اور اس میں جو عمل اور تصرف کرنا چاہئے اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور (دوسری قسم) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم (اور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے، لیکن اُن کو مال نہیں دیا، پس اُنکی نیت صحیح اور سچی ہے، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں، کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے، ہم بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے اُن لوگوں کو حسن نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا)۔ اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا، اور اسکے صرف و استعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ نادانی کے ساتھ، اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں، اسکے ذریعہ صلہ رحمی نہیں کرتے، اور جس طرح اُس کو صرف و استعمال کرنا چاہئے اُس طرح نہیں کرتے۔ پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا، اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا پس اُن کا حال یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح، اور اُسی کے طریقے پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم

بھی عیاشی اور فضول خرچی کریں) پس یہی اُن کی نیت ہے اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو ان کی بری نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہو گا جو تیسری قسم کے لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال کا گناہ ہو گا۔)

تشریح حدیث کے نفس، مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کر دی گئی ہے، البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے، اور جو گویا بُرے عمل ہی کی طرح گناہ ہے، وہ عزم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق اور اپنی طرف سے اُس کے کر گزرنے کا مصمم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے پھر کرنے سکے۔ پس جب کسی گناہ کی نیت اس درجہ کی ہوگی تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی معصیت ہوگی، اور بندہ اس پر سزا کا مستحق ہوگا۔

معصیت کی زندگی میں تھکا کر دینا میں نعمتیں مل رہی ہیں تو یہ استدراج ہے

(۷۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُغِيظُ الْعَبْدَ عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ لَأَنَّمَا هُوَ إِسْتِرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَلْمَا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَخَعْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً لَّذَا هُم مُّثْبَسُونَ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اُس کی معصیت کو شہی اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہے، جبکہ وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھ لو کہ وہ اُس کے حق میں استدراج ہے۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (بطور استشہاد کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَخَعْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً لَّذَا هُم مُّثْبَسُونَ"۔ (سورہ ابراہیم: ۳۲)

تشریح اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے اُن میں سے ایک "استدراج" بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ معصیت کو شہی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے، اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گزارنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اُس کی رسی اور دراز کر دی جاتی ہے، اور کچھ مدت کے لئے نعمتوں کے دروازے اُس پر کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے ساتھ اس خدا فراموشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے، اور پھر بڑی سے بڑی سزایائے دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو "استدراج" کہا جاتا ہے۔ پس

مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھٹکا کر بجرمانہ اور باغیانہ زندگی گزار رہے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں اُن پر انڈیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رسی دراز کر رہا ہے، اور اُن کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

کافروں، فاجروں کی خوش حالی پر رشک نہ کرو

(۷۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْغُضَنَّ لِمَاجِرًا يَنْعِمُ لِلَّهِ لَا تَذِرُنِي مَا هُوَ لَا يَبْغُذُ مَوْبِهِ إِنْ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ لَابِلًا لَا يَمُوتُ بَعْنَى النَّارِ۔

(رواہ البیہقی فی شرح السنۃ)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کسی بدکار (کافریا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اُس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اُس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں۔ (اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبد اللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کا مطلب اس قاتل سے دوزخ کی آگ ہے، (یعنی وہ بے چارا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنۃ)

تشریح..... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مؤمن اور نیکو کار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھانڈے کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے، تو شیطان اُس کے دل میں طرح طرح کے دوسے ڈالتا ہے، اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بد اعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوائی زندگی میں عذابِ نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں اُن کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحبِ ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہئے، ان بے چاروں، کم بختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو چٹا پڑنے والی ہے، اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دودھ چار دن پہلے سے خاص سبوتیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اُس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوشحالی

اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اسلئے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُسے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بے چاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچالیا ہے۔

اس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہل دنیا کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کسی منصبیت زدہ کو دیکھ کر پڑھنا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلٰیہِ مِمَّا اَبْتَکَلٰہِ بِہٖ وَلَظَلْنِیْ عَلٰی کَیْفٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

ساری حمد و ستائش اُس اللہ کیلئے ہے، جس نے مجھے اس منصبیت سے محفوظ رکھا جس میں اے بندے تو جتلا کیا گیا ہے، اور اُس نے مجھے اپنی بہت سی حقوق پر برتری عطا فرمائی

کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اس کو حقیر نہ سمجھو

(۷۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرُّ رَجُلٍ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ جَالِسٍ مَاذَا يَكُ فِي هَذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْرَافِ النَّاسِ هَذَا وَاللَّهِ حَرِيٌّ إِنْ عَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ خَفَعَ أَنْ يُشْفَعَ، قَالَ لَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرُّ رَجُلٍ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَيْتُكَ فِي هَذَا؟ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا رَجُلٌ مِنْ لُقُرَاءِ الْمُسْلِمِينَ، هَذَا حَرِيٌّ إِنْ عَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ وَإِنْ خَفَعَ أَنْ لَا يُشْفَعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا غَيْرٌ مِنْ بِلَا الْأَرْضِ فِيهِ هَذَا.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو غالباً دولت مند اور معززین میں سے تھا) رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزرا، تو آپ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ: اس گزرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: حضرت یہ بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بی بی بیٹے نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے، اور نکاح کر دیا جائے، اور اگر کسی معاملے میں سفارش کر دے تو اسکی سفارش ضرور مانی جائے۔ سہل بن سعد کہتے ہیں، کہ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور اللہ کا بندہ گزرا، آپ نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ یہ بے چارہ نادار اور مستکین مسلمانوں میں سے ہے یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیغام دے، تو اسکے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اور اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اسکی سفارش نہ مانی جائے، اور کوئی بات کہنا چاہے تو اسکی بات بھی نہ سنی جائے۔ (اُن کا یہ جواب سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے

والے اُس آدمی کے مثل گرز زمین بھر ہوں تو یہ ایک اکیلا فقیر و مسکین اُن سے بہتر ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح... انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ دنیا کی دولت اور دنیا کی بڑائی ہی کو وہ اصل بڑائی، اور وزن اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں، اور اسی سے متاثر ہوتے ہیں، اور اللہ کے جو بندے اُس سے خالی ہوں (اگرچہ اُن کے پاس ایمان اور حسن عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے اہل دنیا ان کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتے ہیں، یہ حدیث دراصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے علاج کا ایک نسخہ ہے، بہت ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جو صاحب اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپ اس گفتگو میں مخاطب رہے) اُن میں بھی اس مرض کے کچھ جراثیم ہوں، اور آپ نے اُن کی اصلاح کیلئے ہی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شارحین نے یہ بھی لکھا ہے، اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گزرنے والے مسلمان ہی تھے، البتہ پہلے جو گزرے وہ دنیا کی دولت و وجہت میں برتر تھے، اور دین کے لحاظ سے کمتر، اور بعد میں جو صاحب گزرے، وہ دنیا کے لحاظ سے تو کمتر تھے، مگر دین اور تعلق باللہ میں برتر اور بلند تر۔ اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے جیسے اگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ اللہ کی وسیع زمین ان سے بھر جائے تو بھی بعد میں گزرنے والا اللہ کا غریب و مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے۔ اللہ اکبر! دین اور تعلق باللہ کی عظمت و رفعت کا کیا ٹھکانا!

(۷۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبُّنَا أَخْبَرَ أَغْبَرَ مَذْلُومٍ بِالْأَتْيَابِ لَوْ أَفْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بُرَّةَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے پر آئندہ بالوں والے گرد و غبار میں اُٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک اُن کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں تو اُن کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔ (مسلم)

تشریح۔ اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو میلا پھیلا، خستہ حال، اور پر آئندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں، جو اللہ کیلئے اپنے کو مٹا کر اُس کے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور ایسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منشا پر آئندہ بالی اور گرد آلودگی، اور میلا پھیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اس حال میں دیکھا کہ اس بارہ میں وہ تقریظ اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے تو آپ نے اُن کو اپنی اس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کا مقصد وہ عاید ہے کہ لوگ پرانند و بال، میلے کیلے اور گرد و غبار میں اُلے ہوئے رہا کریں۔ بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا، حدیث کا مقصد و نشا اور اس کی روح یہی ہے، کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال اور گرد آلود دیکھ کر اُس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے، کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصانِ خدا میں سے ہوتے ہیں۔ پس اس حدیث میں دراصل اُن لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں، اور اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے انکے ساتھ ملنے جلنے اور اُنکے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں، اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ انکی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے

(۷۹) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَأَى سَعْدٌ أَنَّ لَهُ لُضْلًا عَلَى مَنْ ذُوْنَهُ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَنْصُرُونَ وَتُرْزَلُونَ إِلَّا بِضَعْفَائِكُمْ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو (اللہ تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخشی تھیں، مثلاً شجاعت، سخاوت، فہم و فراست وغیرہ ان کی وجہ سے ان کا) کچھ خیال تھا کہ جو (غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں) ان سے کمتر ہیں، وہ اُن کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے (اُن کے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کی جو مدد ہوتی ہے، اور تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ (تمہاری صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتی، بلکہ) تم میں جو بے چارے کمزور اور خستہ حال ہیں، اُن کی برکت اور اُن کی دعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

تشریح۔ حضرت سعد کا جو خیال تھا، چونکہ اس کی بنیاد ایک قسم کے کبر پر تھی، اس لئے اُس کی اصلاح اور اُس کے علاج کیلئے آنحضرت ﷺ نے اُن کو بتلایا کہ تم جن مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو، آج بھی ہم جیسے لکھے پڑھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دے رکھی ہیں، اور دین کی کسی خدمت کی توفیق مل رہی ہے، عموماً اسی قسم کے کبر میں مبتلا ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ ف۔۔۔ اسی حدیث کی نسائی کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں اس طرح ہیں:

إِنَّمَا تَنْصُرُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعْفِهِمْ بِذَعْوِهِمْ وَصَلْوِهِمْ وَإِعْلَاصِهِمْ۔

ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ اداء مطلب میں صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو

(۸۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَظَرْتَ أَحَدَكُمْ إِلَى مَنْ لُضِلَّ

عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْعَلَقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَشَقُّ مِنْهُ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی بناوٹ یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اسکی وجہ سے اُسکے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اُسکو چاہئے کہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے جو ان چیزوں میں اُس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص و طمع اور شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو)۔ (بخاری، مسلم)

تشریح۔۔۔۔۔ انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور اُن کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

(۸۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصِلَتَانِ مِنْ كَأَنَّا فِيهِ حَكْبَةُ اللَّهِ خَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَكَرَ لِي دِينَهُ إِلَى مَنْ هُوَ لَوْلَهُ لَأَقْدَسِي بِهِ وَنَكَرَ لِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ لَأَحْمَدَ عَلَى مَا لُفَّلَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ حَكْبَةُ اللَّهِ خَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَكَرَ لِي دِينَهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَكَرَ لِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ لَوْلَهُ لَأَسِفَ عَلَى مَا لَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَنْكُبْهُ اللَّهُ خَاكِرًا وَلَا صَابِرًا۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں نکمیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو اللہ کے اُن بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اُس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور اُن کی پیروی اختیار کرے، اور دنیا کے معاملے میں اُن غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اُس سے بھی کمتر ہوں، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے ان بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا۔ اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے اونچی درجہ کے لوگوں کو دیکھے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے اور جو دنیاوی نعمتیں اُس کو نہیں ملی ہیں، اُن کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔ (ترمذی)

تشریح۔۔۔۔۔ شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں تو اُس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا، اور دین کی دولت بھر پور مل گئی۔ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنالے کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن اچھے

بندوں پر نظر رہا کرے جن کا مقام دین میں (یعنی ایمان و اعمال اور اخلاص میں) اپنے سے بلند تر ہو اور اُن کی پیروی کرتا رہے، اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن خستہ حال اور مبتلائے مصائب بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی لحاظ سے اپنے سے کمتر اور پست تر ہوں، اور ان کے مقابلے میں دنیوی راحت و عافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکو دی گئی ہے اسکو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اُس محسن مالک کا شکر ادا کرتا رہے۔

اگر حسن عمل کی توفیق ہو، تو زندگی بڑی نعمت ہے

(۸۲) عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ لَّكَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسَنَ عَمَلُهُ قَالَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ لَكَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَنَسَا عَمَلَهُ۔ (رواہ احمد)

ابو بکر سے روایت ہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہیگا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اُسکے اعمال اچھے رہے۔ پھر اُسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ بُرا (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اُس کے بُرے رہے۔ (۱۰۰۰)

تشریح ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اسکو ملے گی اُسی قدر اُسکے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اُسکے برعکس جسکے اعمال و اخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہونگے اسکی عمر جتنی زیادہ ہوگی، اُسی قدر وہ اللہ کی رحمت و رضاء سے دُور تر ہوتا چلا جائیگا۔

(۸۳) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَىٰ بَيْنَ رَجُلَيْنِ لَفَعِلَ أَحَدُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتَ الْأُخْرَىٰ بَعْدَهُ بِجُمُعَةٍ أَوْ نَحْوِهَا فَصَلُّوا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكُمْ؟ قَالُوا دَعَوْنَا اللَّهَ أَنْ يُغْفِرَ لَهُ وَيَرْحَمَهُ وَيُلْحِقَهُ بِصَاحِبِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ صَلَّوْهُ وَعَمَلُهُ بَعْدَ عَمَلِهِ أَوْ قَالَ صِيَامُهُ بَعْدَ صِيَامِهِ لَمَّا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ عبید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی (یعنی اُس وقت کے دستور کے مطابق اُن کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ اُن میں سے ایک صاحب (قریبی ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہو گئے) پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اسکے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا (یعنی اُن کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں نے (نمازِ جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لئے یہ دعا کی، کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے

قرب و رضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں، جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے، اللہ ان کو بھی اپنے فضل و کرم سے اُسی مقام پر پہنچا کے) اپنے اُس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کر دے، (تاکہ جنت میں اُسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اُس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انہوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمالِ خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد انہوں نے کئے، یا آپ نے یوں فرمایا، کہ اسکے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انہوں نے رکھے۔ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا، یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا)۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ابن ابی شیبہ)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اُس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دُعا کی، کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو بھی اُس شہید بھائی کے ساتھ کر دے، حالانکہ بعد میں مرنے والے بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے، اور جو دوسرے اعمالِ خیر کئے، تمہیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راوی خدا میں جان و دنیا بلاشبہ بہت اونچا عمل ہے، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں، تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہے، اُس کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راوی خدا کے پاسی اور جہاد کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہنے والوں میں سے تھے، اس لئے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے، اور بعد کے نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر نے اُن کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درجوں میں زمین و آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلادیا۔

(۸۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُدَّادٍ أَنَّهُ لَقِيَ مِنْ بَنِي عُلَازَةَ ثَلَاثَةً أَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَمَوْا لَقَاءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلِيهِمْ؟ قَالَ طَلَحَةُ أَمَّا، فَكَانُوا اعْتَدَهُ لَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثًا فَعَرَجَ فِيهِ أَحَدُهُمْ فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعَثًا فَعَرَجَ فِيهِ الْآخَرُ فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلَى إِرَاجِهِ لَأَنَّ طَلَحَةَ لَمَّا رَأَيْتُ هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَأَيْتُ الْمَمَاتَ عَلَى إِرَاجِهِ أَمَامَهُمْ وَالَّذِي اسْتَشْهَدَ آخَرًا يَلِيهِ وَأَوَّلُهُمْ يَلِيهِ لَدَغْلِي مِنْ ذَلِكَ لَدَغْرَثَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَقَالَ وَمَا أَنْكَرْتَ مِنْ ذَلِكَ؟ لِمَنْ أَحَدٌ أَفْضَلُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعْمَرُ فِي الْإِسْلَامِ لِيَسْبِيحَهُ وَتَكْبِيرَهُ وَتَهْلِيلَهُ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی عذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے (اور حضور کی خدمت میں قیام کارا وہ کیا) تو آپ نے (صحابہ کرامؓ سے) فرمایا کہ ان نو مسلم مسافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں اُن کے پاس رہنے لگے، اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے، اور وہاں شہید ہو گئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرے ساتھی اس میں چلے گئے، اور وہ بھی جاکر شہید ہو گئے، پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے اُن کا انتقال بستر ہی پر ہو گیا۔ (حدیث کے راوی عبد اللہ بن شداد) کہتے ہیں کہ طلحہ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں اُن تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے، وہ سب سے آگے ہیں، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے، اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلیان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے اُن دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہو گا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس خواب اور اپنے اس تاثر اور خلیان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تم کو کیا بات اورچی اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے اُنکے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اُسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ) اللہ کے نزدیک اُس مؤمن سے کوئی افضل نہیں، جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر و راز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جذباتی اور باتونی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گزارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان اُن کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمالِ خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقعہ اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا O

رسول اللہ ﷺ کی جامع اور اہم نصیحتیں اور وصیتیں

(۸۵) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ لَمَّا لِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ اللَّهُ حَيْثُمَا كُنْتُ وَأَتَيْعَ السَّيِّئَةِ

الْحَسَنَةِ تَمْنَعُهَا وَخَالِي النَّاسَ بِخُلُقِي حَسَنٍ۔ (رواه احمد والترمذی والدارمی)

ترجمہ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد جامع ترمذی دارمی)

تشریح..... تقویٰ کی اصل خدا کا خوف اور اس کے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے، اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے۔ لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اُس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کے تدارک کیلئے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی غلطی اور بُرائی ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس بُرائی کی ظلمت کو ختم کر دے گا، اور مٹا دے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (نیکیاں بُرائی کو ختم کر دیتی ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابو ذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حسن اخلاق کا ہو۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور نکثیر حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاء الہی حاصل ہونے کیلئے بندوں کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

(۸۶) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ لَمَّا جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَظُمِي

وَأَوْجِزْ لِقَالَ إِذَا لَمْتُ فِي صَلَاتِكَ لَصَلِّ صَلَوةَ مُؤَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمَ بِكَلَامٍ تَعْلُو مِنْهُ عَدَا وَ

أَجْمِعِ الْإِيمَانَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ۔ (رواه احمد)

ترجمہ حضرت ابویوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اُس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہئے تم ہر نماز ویسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دی کرینی پڑے (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جس کی جواب دی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے اور

تیسری بات یہ یاد رکھو کہ (آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کر لو (یعنی تمہاری امیدوں اور توجہ کا مرکز صرف رب العالمین ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی امیدوں کو بالکل منقطع کر لو)۔ (ترمذی)

۸۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَكَ مُنْجِيَاتٌ وَلَكَ مُهْلِكَاتٌ لَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللَّهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الزُّهْدِ وَالسَّعْيِ وَالْقَصْدُ فِي الْبُعَا وَالْفَقْرُ وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوَى مَتَبَعٌ وَفُحْ مُطَاعٌ وَاعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَفْضَلُهُنَّ۔ (رواد البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کر دینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں، ایک خدا کا خوف خلوت میں اور حیوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے حق بات کہنا، خوشی میں اور غصہ میں اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور متعقد سستی میں۔ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں: ۱۔ دو خوانش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور ۲۔ دو بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اسکے تقاضے پر چلا جائے) اور ۳۔ آدمی کی خود پسندی کی عادت، اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔

(شعب الایمان)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے اور اسی طرح بعض خاص خاص بُرے اعمال و اخلاق کی قباحیت و شاعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلم اور مربی کا طرزِ زیبی ہونا بھی چاہئے)۔ یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر نہ ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اُسے چاہئے کہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اُس کا شعار رہے، اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی، ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے اور وہ خوشحالی و متعقد سستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے۔ اور اپنی نفسانی خوانش اور تخیل کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خود پسندی کی نہایت مبہک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے۔ آپ نے خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غائباً اس لئے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔

۸۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَحِنَ بِكَ لَلَا عَلَىكَ مَا لَكَ الدُّنْيَا حَفِظْتَ أَمَانَةَ وَصَدَّقْتَ حَدِيثَ وَحَسَنَ خَلِيقَةَ وَعَلَىٰ لِي

طُعْمَةُ - (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ - حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جائے اور باتحہ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی گھانا نہیں امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حسن اخلاق اور کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔ (مسند مذاہب اربعہ)

ترجمہ - آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو، یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، اور حسن اخلاق کی دولت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی وہ محتاط اور پرہیزگار ہو، یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اتنا ہی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہئے، اور حرام اور مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، الغرض جس شخص کو یہ چار خصلتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا مکمل نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی بلندی ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہ بے حساب اور بے شمار نعمتیں ملیں گی جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اسکی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہوگی، پس ایسا شخص اگر دنیا سے خالی باتحہ رہے تو اسے کوئی غم اور کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملا ہوا ہے دنیا اور اسکی ساری دولتیں اور بہاریں اس کے سامنے بیچ ہیں۔

۸۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا لَفَّحَ مَنْ أَخْلَصَ اللَّهُ لِقَلْبِهِ لِلْإِيمَانِ وَجَعَلَ لِقَلْبِهِ سَلِيمًا وَلِسَانَهُ صَادِقًا وَنَفْسَهُ مُطْمَئِنَّةً وَخَلِيقَتَهُ مُسْتَجِيبَةً وَجَعَلَ أَذُنَهُ مُسْتَمِعَةً وَغَيْبَةً نَاطِرَةً لَمَّا الْاُذُنُ لَقِيعٌ وَأَمَّا الْعَيْنُ فَمُفْرِةٌ لِمَا يُورِى الْقَلْبُ وَلَمَّا لَفَّحَ مَنْ جَعَلَ لِقَلْبِهِ وَاعِيًا - (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ - حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کامیاب اور ہامد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اس کے قلب کو صحیح و سالم بنادیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف ایمان و یقین نصیب فرمایا جس میں شک یا نفاق کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں، اور حسد و کینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اس کے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اس کے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اس کے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین و اطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں جلتی) اور اس کے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنادیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی

نشانوں کو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں) پس کان تو مثل قیف کے ہے (کہ باتیں اس کے راستے سے دل میں اس طرح جاتی ہیں جس طرح بوتل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہنچانے والی اور ٹھہرانے والی ہے اُن چیزوں کو جو وہ قلب کو سونپتی ہے، اور بامراد اور کامیاب ہو اوہ شخص جس کے دل کو بنادیا اللہ نے یاد رکھے والا۔ (مسند احمد، شعب الایمان، ص ۱۲۱)

تشریح حدیث کے آخری حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے ”فاما الاذن فقسع الخ“ جس کے ترجمہ پر امتیاز کے لئے خط لگادیا گیا ہے اس سے وجود انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دل جو انسانی اعضاء میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں جو چیزیں پہنچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لئے انسان کی فلاح و سعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اس کے کان کو شنوا، اور اس کی آنکھوں کو بینا بنادے۔ اور سب سے آخر میں فرمایا کہ ”فلاح یاب اور بامراد ہو اوہ انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھے والا بنادیا۔“ مطلب یہ ہے کہ فلاح و سعادت تک پہنچانے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہنچیں اُن سے بھی منزل سعادت تک جب ہی پہنچا جاسکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے، اس لئے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جابجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دار و مدار انہی تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

۹۰ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَبْعُثُهُ إِغْتِمْ غَنِمًا قَبْلَ غَنَمِ خَبَاثِكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتِكَ قَبْلَ سَفَمِكَ وَغَنَّاكَ قَبْلَ كَفَرِكَ وَلَوْ أَهَكَ قَبْلَ خُفْلِكَ وَخَبَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ (رواہ الترمذی)

تشریح عمرو بن ميمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہئے وہ اٹھا لو۔ غنیمت جانو جو انی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگدستی سے پہلے اور غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (پانچ تہذیبی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، اس لئے اُس کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ عمل کرنے کے قابل اچھی اور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے تو اس کو غنیمت اور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے، اور اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہو اُس وقت کر لے، کیا خبر ہے کہ آئندہ کر سکنے کے قابل رہے گا یا نہیں۔ اگر جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو

بڑھاپے کی کمزوریوں اور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھالے، اگر تندرست و توانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے لے، اگر خوش حالی اور مالی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کر لے، اور اگر کچھ فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغولیت اور پریشان حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کر لے اور کام لے لے اور زندگی کے بعد بہر حال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کر دینے والی ہے اور اس کے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، اسلئے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اور خدا واد فرصت سمجھے، اور اس سے فائدہ اٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

(۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْتَظِرُ أَحَدُنَا إِلَّا غَنِي مُطْلَبًا أَوْ فَقْرًا مُنْصِبًا أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا أَوْ هَرَمًا مُقْنِدًا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا أَوِ الدَّجَالَ وَالْدَّجَالَ خَرُّ غَالِبٍ يَنْتَظِرُ أَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةَ أَذَى وَأَمْرٌ - (رواه الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، تم عمل کیلئے انتظار کرتے ہو اُس خوشحالی اور دولت مندی کا جو آدمی کو سرکش کر دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو اُس ناداری اور محتاجی کا جو سب کچھ بھلا دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو حالت بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا عقل و حواس کھو دینے والے بڑھاپے کا، یا چانک آنے والی اور فنا کر دینے والی موت کا، یا تم منتظر ہو دو دجال کے۔ اور دو دجال بدترین غائب ہے جس کا انتظار ہے، یا منتظر ہو قیامت کے، اور قیامت بڑا سخت حادثہ اور بڑا کڑوا گھونٹ ہے۔ (جامع ترمذی و سنن نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فرصت اور فراغ کو غنیمت نہیں سمجھتے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور رضاء الہی اور فلاح اخروی کے لئے عملی جدوجہد سے غافل رہ کر تن آسانی میں اپنا وقت گزار رہے ہیں، گویا وہ اسکے منتظر ہیں کہ مذکورہ بالا بلاؤں اور آفتوں میں سے جب کوئی بلا اور آفت اُن پر آئے گی، جب وہ جاگیں گے، اور اُس وقت آخرت کی فکر اور تیاری کریں گے۔

(۹۲) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُولُ لَكَ مَا بَيْنَ أَدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُنْفَلَ عَنْ عَمَلٍ مِنْ عَمَلِهِ فِيمَا آتَاهُ وَعَنْ حَبَابِهِ فِيمَا آتَاهُ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ آتِنِ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا آتَاهُ وَمَا دَاعَبَلُ فِيمَا عَلِمَ - (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن (جب حساب کیلئے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی، تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا۔ ایک اُس کی پوری زندگی اور عمر کے بارے میں کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا۔ اور دوسرا خصوصیت سے اُس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں کہ کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پُرانا کیا، اور تیسرا اور چوتھا مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن

راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہو گا کہ جو کچھ معلوم تھا اس کے بارے میں کیا عمل کیا؟
(پانچویں)

ف ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمد و خرچ، اور اپنے علم و عمل کا دنیا ہی میں محاسبہ کرے اور ذرا سوچے کہ دربار خداوندی میں کھڑا کر کے جب مجھ سے سرمحشر یہ سوالات کئے جائیں گے تو میرا حال اور انجام کیا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے کرم سے آسان فرمائے ورنہ امتحان اپنی نوعیت کے لحاظ سے یقیناً بڑا سخت ہے، اور صرف وہی خوش نصیب بندے اُس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اُس گفتری کے آنے اور اس امتحان گاہ میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں تیاری کر لیں، اور زندگی اس طرح گزاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہو سکیں۔

۹۳) عَنْ أَبِي جَرْرِ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ لَرَأَيْتُ رَجُلًا يَضُدُّ النَّاسَ عَنْ رَأْيِهِ لَا يَقُولُ خَيْرًا إِلَّا صَدَرُوا عَنْهُ لَقْتُ مَنْ هَذَا؟ قَالُوا هَذَا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ لَقْتُ عَلَيْكَ السَّلَامَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامَ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَمَيَّتِ لَلِ السَّلَامِ عَلَيْكَ لَقْتُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ؟ فَقَالَ آتَا رَسُولُ اللَّهِ الَّذِي إِنْ أَصَابَكَ ضَرْ لَدَعْوَتِهِ تَحَقُّفٌ عَنْكَ وَإِنْ أَصَابَكَ عَامٌ سَنَةٍ لَدَعْوَتِهِ أَنْتَهَى لَكَ وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ لَفِرٍ أَوْ لِفَلَاةٍ فَضَلْتَ رَاحِلَتَكَ لَدَعْوَتِهِ رَدَّمَا عَلَيْكَ لَقْتُ إِيَّاهُ إِلَى قَالَ لَا تَسُبَّنْ أَحَدًا قَالَ لِمَا سَبَبْتَ بَعْدَهُ خَرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا خَاةً قَالَ وَلَا تُحَقِّرَنَّ خَيْرًا مِنَ الْمَعْرُوفِ وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مَنبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهَكَ إِنْ ذَلِكَ مِنَ الْمَعْرُوفِ وَارْفَعْ إِذَا رَكَ إِلَى يَصِفُ السَّاقِ لِأَنْ أَتَيْتَ لِيَالِي الْكُفَّيْنِ وَيَاكَ وَسَابَالَ الْإِزَارِ لِيَانَهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ وَإِنْ امْرَأَةً فَخَتَمَكَ وَعَبْرَكَ بِمَا يَعْلَمُ بِكَ فَلَا تُعْبِرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيهِ لِأَنَّمَا وَبَالَ ذَلِكَ عَلَيْهِ۔

(رواد ابو داؤد)

ابو جری جابر بن سلیم سے روایت ہے کہ میں مدینہ پہنچا (اور میں رسول اللہ کے بارے میں اس وقت کچھ جانتا نہیں تھا) میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اُس کے پاس طالب بن کر حاضر ہوتے ہیں اور وہ اُن کو جو کچھ بتا دیتا ہے اُس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے لوگ اُس کو دل و جان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا "علیک السلام یا رسول اللہ" میں نے دودفعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا "علیک السلام" نہ کہو "میرے مردوں کا سلام ہے۔" (یعنی اہل جاہلیت اس طرح مردوں کو سلام کیا کرتے تھے، بجائے اس کے) "السلام علیک" نہ کہو۔ میں نے عرض کیا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں رسول ہوں اُس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی دکھ اور تکلیف ہو، اور تم اُس سے دُعا کرو تو وہ تمہارے دکھ کو دور کر دے، اور اگر تم پر قحط سالی کی مصیبت آجائے اور تم اُس سے دُعا کرو تو تمہارے لئے دوزمین سے پیداوار پیدا کر دے، اور جب تم کسی

جنگل بیابان میں اور لٹ و لٹ میدان میں ہو، اور تمہاری سواری کا جانور وہاں گم ہو جائے، اور تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمہاری سواری کے اُس جانور کو تمہارے پاس پہنچا دے۔ (حدیث کے راوی جابر بن سلیم کہتے ہیں، کہ) میں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیے! آپ نے ارشاد فرمایا (تمہیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا، جابر بن سلیم کہتے ہیں اس کے بعد سے میں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، اور نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو، نہ اونٹ بکری جیسے کسی جانور کو (اسکے بعد سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے حضور ﷺ نے یہ نصیحتیں بھی فرمائیں) کسی احسان کو تم حقیر نہ سمجھو، اور تم اپنے بھائی سے شکستہ روئی کے ساتھ بات کیا کرو، یہ بھی ایک طرح کا احسان اور حسن سلوک ہے، اور اپنا تہبند آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا منظور نہ ہو تو کم سے کم ٹخنوں تک اونچا رکھو، اور تہبند کو زیادہ نیچے لٹکانے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے، اور اگر کوئی تمہیں گالی دے اور تمہاری کسی ایسی بُری بات کا ذکر کرے کہ تم کو عار دلانے جو تمہارے بارے میں جانتا ہو تو تم ایسا نہ کرو، اس صورت میں اُسکی اس ساری زبان درازی کا پورا وبال اُسی پر ہوگا۔ (مسند ابن ماجہ)

(۹۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذْ عَنَى الْكَلِمَاتِ لِيَعْمَلَ بِهِنَّ أَوْ لِيَعْلَمَ مَنْ يَفْعَلُ بِهِنَّ لَأَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا يَأْخُذْ بِيَدِي لَعَلَّ خَمْسًا لَقَالَ لِي النَّاسُ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَآخِذْ النَّاسِ وَأَرْضٌ بِمَا لَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَأَخْسِنَ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَآجِبْ لِلنَّاسِ مَا تَحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحْكَ فَإِنَّ عَفْرَةَ الضَّحْكِ تُبْثِثُ الْقَلْبَ۔ (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا، کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ تو آپ نے (ازراہ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا، اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں۔ فرمایا: جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں اُن سے بچو، اور اُن سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا، تو تم بہت بڑے عبادت گزار ہو، (اور یہ عبادت نفلی عبادت کی کثرت سے افضل ہے)۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ: اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولت مند ہو جاؤ گے۔ اور تیسری بات یہ کہ: اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے، تو تم مؤمن کامل ہو جاؤ گے۔ اور چوتھی بات یہ کہ جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کیلئے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلم اور پورے مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور پانچویں بات یہ ہے کہ: زیادہ مت ہنسنا، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردود کر دیتا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، آپ نے مخاطبین میں خاص طلب پیدا کرنے کیلئے، اور

اُنکے دلوں کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کیلئے پیسے ارشاد فرمایا کہ: میں اس وقت کچھ خاص باتیں بتانا اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون ان کو سیکھنا چاہتا ہے، لیکن اسکو ان باتوں کا یہ حق ادا کرنا ہو گا کہ وہ خود ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی بتلائے، تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھے اُس پر دو حق ہیں ایک یہ کہ خود ان پر عمل کرے اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہنچائے اور بتلائے، بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور ﷺ نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں۔

پہلی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی، کہ: بڑا عبادت گذار بندہ وہ ہے جو محرمات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ زیادہ نقلی نمازیں نہ پڑھتا ہو، نقلی روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ: اللہ کی طرف سے جو مقصود اور مقدر ہے اُس پر راضی ہو جانے سے آدمی کو بڑا اطمینان اور بڑی بے فکری نصیب ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط ہے۔

چوتھی بات یہ کہ، کامل مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ اور مہربانی خواہ ہو، کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسروں کے لئے چاہے۔

اور پانچویں بات یہ کہ، زیادہ نہ ہنساجائے، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ اور بے حس کر دیتی ہے۔

اگر اللہ کی توفیق سے اُس کا کوئی بندہ آج بھی ان پانچ باتوں پر کاربند ہو جائے تو دنیا ہی میں وہ جنت کا مزا چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، دور قریب کے لوگ اس سے محبت کریں گے، اس کا دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت کی جو نعمتیں اُس کو ملیں گے اُن کی قدر و قیمت اور حقیقی لذت تو بس وہیں جا کر معلوم ہوگی۔

۹۵ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَمَرَنِي خَلِيلِي بِسَبْعٍ، أَمَرَنِي بِحُبِّ الْمَسَاكِينِ وَالذُّلَّوْنِ مِنْهُمْ وَأَمَرَنِي أَنْ أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ دُونِي وَلَا أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ لَوْفِي وَأَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَذْهَبَتْ وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَسْأَلَ أَحَدًا شَيْئًا وَأَمَرَنِي أَنْ أَلُولَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا، وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَأَيِّمٍ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَكْثِرَ مِنْ قَوْلٍ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَإِنَّهُمْ مِنْ كُنُزِ تَحْتِ الْعَرْضِ - (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب دوست (ؓ) نے سات باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے۔ مجھے آپ نے حکم فرمایا ہے۔ مساکین اور غرباء سے محبت رکھنے کا اور اُن سے قریب رہنے کا۔ اور آپ نے حکم فرمایا ہے کہ دنیا میں اُن لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ

سے نچلے درجہ کے ہیں (یعنی جن کے پاس دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور اُن پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے درجہ کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے زیادہ دیا گیا ہے، اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندہ میں صبر و شکر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں، کہ اور مجھے آپ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اہل قربات کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور قرابتی رشتہ کو جوڑوں (یعنی اُن کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سلوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اسکے سوا کسی کے در کا ساکل نہ ہوں)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیلئے کڑوی ہو (اور اُن کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں بُری لگے)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے بُرا کہیں لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو، اور کسی کے بُرا بھلا کہنے کی مطلق پروا نہ کروں) اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں کلمہ ”لا حول و لا قوۃ الا باللہ“ کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب باتیں اُس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اُس خزانے کے قیمتی جوہرات ہیں جو عرش الہی کے نیچے ہے، اور جن کو اللہ ہی جن بندوں کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے کسی اور کی وہاں تک دسترس نہیں)۔ (مسند احمد)

تشریح..... حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ کلمہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ جسکی کثرت کی اس حدیث میں تاکید فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ ”گناہوں سے بچنا، اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے“ یعنی اللہ کا فضل اور اس کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو، تو بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال کر سکتا ہے، پس بندے کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور معصیات نہ بچنا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر نصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اس کے دھیان اور استحضار کے ساتھ کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کیلئے اکسیر ہے، اور اس میں بڑی تاثیر ہے، مشائخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرات شاذلیہ طالبین و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی زیادہ تلقین کرتے ہیں۔

(٩٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي رَبِّي بِجَسَعِ خَشْيَةِ اللَّهِ فِي السَّيْرِ وَالْعَلَايَةِ، وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِي الْقَضَبِ وَالرَّضَا، وَالْقَصْدِ فِي الْفَقْرِ وَالْبُخْلِ، وَأَنْ أَجِلَّ مَنْ لَقِيتُ، وَأَعْطَى مَنْ حَرَمْتِى، وَأَعْفُو عَنْ ظَلَمَتِي، وَأَنْ يَكُونَ صَمْتِي لِكُرٍّ وَنُطْقِي ذِكْرًا، وَنَظْرِي عِبْرَةً وَأَمْرٌ بِالْعَرَبِ، وَلَيْلٌ بِالْمَعْرُوفِ - (رواه رزين)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے میرے پروردگار نے ان نولہ باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے۔ ایک اللہ سے ڈرنا خلوت میں اور خلوت میں۔ اور عدل و انصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضامندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے ناراضی اور اُس پر غصہ ہو تو اُسکی حق تلفی اور اُسکے ساتھ بے انصافی کی جائے، اور جب کسی سے دوستی اور مہمندی میں ہو تو اُس کی بے جا حمایت اور طرف داری کی جائے، بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف اور اعتدال کی راہ پر چلا جائے) اور حکم فرمایا میانہ روی پر قائم رہنے کا، غریبی و ناداری و فراغ دستی و دولت مندی کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناداری اور غریبی میں مبتلا کرے تو بے صبری اور پریشاں حالی کا اظہار نہ ہو) اور جب وہ فراغ دستی اور خوشحالی نصیب فرمائے، تو بندہ اپنی حقیقت کو بھول کر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض ان دونوں امتحانی حالتوں میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اپنی روش ورمیانی رکھی جائے، یہی دو میانہ روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا ہے۔ (آگے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا کہ میں ان اہل قرابت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوق قرابت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتہ قرابت توڑیں اور میرے ساتھ بد سلوکی کریں، اور یہ کہ میں اُن لوگوں کو بھی دوں جنہوں نے مجھے محروم رکھا ہو، اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کر دوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستایا ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اُس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں، اور جو چیزیں قابل تفکر ہیں اُن میں غور و تفکر کروں، مثلاً اللہ کی صفات اور اس کی آیات، اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے، اور اس کا مجھے کیا حکم ہے، اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اس کے احکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے، اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے، اور مثلاً یہ کہ اللہ کے غافل بندوں کو کس طرح اللہ سے جوڑا جائے، الغرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو)۔ اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو ذکر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں اور جو بھی بولوں اُس کا اللہ سے تعلق ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اللہ کی ثناء و صفت ہو، یا اس کے احکام کی تعلیم و تبلیغ ہو، یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام اور حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو، ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ ”ذکر“ کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر عبرت والی ہو، (یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں) اور لوگوں کو حکم کروں اچھی باتوں کا۔ (ترمذی)

تشریح ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ صرف ایک بات اور قابل ذکر ہے، کہ حدیث کا آخری جز (واسم بالمعروف) اُن نوباتوں کے علاوہ ہے، گویا حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص نو حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم حکم بھی بیان فرمایا جس کے لئے آپ نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور سے مامور ہیں، اور وہ آپ کا خاص الخاص فرض منصبی ہے، یعنی ”امر بالمعروف“ جس میں نبی عن المنکر بھی داخل ہے، کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف ہی کی

منفی صورت ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی اہم تعلیمات کی جامع ہیں، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرمادیں، تو اصلاح و تزکیہ کے لئے یہی دودھ شیش کافی ہیں۔

(۹۷) عَنْ مَعَاذٍ لَّانِ أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ لَّانِ لَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ حَيْثَا وَانِ لَيْسَتْ وَ حُرِّقَتْ، وَلَا تُعَقَّنَ وَ الذَّنْكَ وَانِ أَمْرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَ مَالِكَ، وَلَا تَتَرَكَّنْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا لِأَنْ مَنْ تَرَكَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا لَقَدْ هَرِثَ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ، وَلَا تُشْرِبَنَّ خَمْرًا لِأَنَّهُ رَأْسُ كُلِّ لَاحِشَةٍ، وَإِيَّاكَ وَ الْمَعْصِيَةَ لِأَنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حُلَّ سَخَطِ اللَّهِ، وَإِيَّاكَ وَ الْفِرَارَ مِنَ الرُّخْفِ وَانِ هَلَكَ النَّاسُ، وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَانْبُثْ وَ اتَّقِ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْلَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَذْبًا وَ أَخْفِهِمْ لِي اللَّهُ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلاؤ الا جائے۔ اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال چھوڑ کے نکل جاؤ۔ اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا۔ اور ہر گز کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ بنیاد ہے، (اسی لئے اس کو ام النجائب کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو، اگرچہ گشتوں کے پٹھے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو، اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے تو تم وہیں سے رہو، (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو) اور اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے اُن کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگئے بڑھو)۔ اور ادب دینے کیلئے اُن پر (حسب ضرورت و موقع) سختی بھی کیا کرو۔ اور اُن کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مسند احمد)

تشریح۔ حدیث اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ تاہم چند باتیں قابل ذکر ہیں، شریعت کا مشہور و معروف مسئلہ ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے، کہ اگر کسی شخص کو شرک و کفر پر مجبور کیا جائے اور اندازہ یہ ہو کہ اگر میں انکار پر ہی قائم رہوں گا، تو مار ڈالا جاؤں گا، تو ایسے موقع پر اس کی اجازت ہے، کہ صرف زبان سے شرک و کفر کا اظہار کر کے اُس وقت جان بچالی جائے۔ لیکن عزیمت اور افضل یہ ہے کہ زبان سے بھی شرک و کفر کا اظہار نہ کرے، اگرچہ جان چلی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ خواص میں سے تھے، اس لئے حضور ﷺ نے اُن کو نصیحت فرمائی کہ وہ ایسے موقع پر عزیمت ہی پر عمل کریں، اور جان کی پروا نہ کریں۔ اسی طرح والدین کی اطاعت کے بارے میں جو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اہل و عیال اور اپنا کمایا ہوا سارا مال چھوڑ کے نکل جانے کو کہیں، تب بھی ان کی نافرمانی نہ کرو، یہ

بھی اولیٰ اور افضل کا بیان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ اُنکے سخت سے سخت حکم اور ناگوار سے ناگوار حکم کو بھی مانے، ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کے ایسے سخت اور ناوابج مطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر رضا کارانہ طور پر اولاد ایسا کرے، (اور کسی دوسرے کی اس میں حق تلفی نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی بلند بات ہے۔

نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصد ترک کی، اُس کیلئے اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا۔ یہ اُن حدیثوں میں سے ہے جن کی بناء پر حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ نے تارک صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اسلام اسکو جو سزا دینا مناسب سمجھے دے اور قید کر دے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برأت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ عدا فرض نماز چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ گناہ اگر عین کفر نہیں ہے تو قریب ہے کفر ضرور ہے۔ حضورؐ کی اس جامع وصیت کے آخری حصہ کا تعلق اولاد کی خبر گیری اور انکی تادیب و تہذیب سے ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم حضورؐ کی بالکل آخری وصیت یہ ہے ”وَاحْفَظُوا فِيَّ الْاَلَّ“ یعنی تمہارے ذمہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کیلئے جو تدبیریں بھی کرنی پڑیں وہ گویا ہمارے فرائض میں سے ہیں، اور ہم اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہو گئے۔

۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ خَرَجَ يَوْمًا اِلَى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مَعَاذَ بَنِ جَبَلٍ لَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي فَقَالَ مَا يَبْكِيكَ لَئِنْ يَبْكِيَنِي خَشِيَ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ بَسِيْرَ الرِّبَايَةِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادَى اِلَهَ وَلِيًّا فَقَدْ اَبَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوا لَمْ يَنْقُطُوْا وَاِنْ حَضَرُوا لَمْ يَدْعَوْا وَلَمْ يَقْرَءُوا لِلْوُثُوْمِ مَصَابِيْحَ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غُرْبَاءٍ مُّظْلَمَةٍ۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبویؐ میں آئے، وہاں انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہؐ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا، تمہارے اس رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا، کہ مجھے ایک بات زلزلہ جی ہے جو میں نے رسول اللہؐ سے سنی تھی میں نے آپ سے سنا تھا، آپ ﷺ فرماتے تھے، کہ تمہارا سہارا بھی شرک ہے اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی تو اُس نے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی اور بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن نیکو کار متقی بندوں سے جو ایسے چھپے ہوئے اور نامعروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی انکو تلاش نہ کرے، اور حاضر ہوں تو کوئی اُن کو دعوت دیکر اپنے پاس نہ بلائے، اُنکے دل ہدایت کے روشن چراغ، نکل جاتے ہیں کالی آندھریوں میں سے۔

(نسخ ابن ماجہ، شعب الایمان، منتخب)

آنحضرتؐ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کر کے وہ رو رہے تھے، چند اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلی بات یہ تھی کہ حضورؐ نے فرمایا، کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، درحقیقت تنہا یہی بات اُن بندوں کو رلانے کے لئے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شاعت و قباحت کو بھی جانتے ہوں۔ کیونکہ خفی اور باریک قسم کے ریا سے بچنا اُن بندوں کیلئے بھی بہت مشکل ہے جو اُس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا وغیرہ سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اُس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی کچھ لگاؤٹ آئی گئی، عارفین کا یہ عام حال ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ ”سوس کر کے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہئے وہ نصیب نہیں ہوا۔ غالباً حضرت معاذ کے اس رونے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے، کہ ریا کے متعلق اس اعتبار کے بعد رسول اللہؐ نے دوسری مرتبہ تنبیہ یہ فرمائی تھی کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو اُن کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی اُن خاصانِ خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اور اُس کے غضب اور عذاب سے کھینچا جاتا ہے۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبانِ بارگاہِ خداوندی ہیں جو نیکو کار اور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسبابِ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کوئی اُن کے اس امتیاز کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے گنہگار اور نامعروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو اُن کی فکر اور تلاش نہ ہو، اور موجود ہوں تو کوئی اُن کو مدد نہ کرے، اُن کے دل روشن بلکہ دوسروں کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اور وہ اپنے دل کی اس روشنی کی وجہ سے فتوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھے ہوئے نکل جاتے ہیں۔^۱

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے میں غالباً اُن کے اس احساس کو بھی دخل ہو گا کہ افسوس ہم ایسے گنہگار اور نامعروف نہیں رہے، اور ہماری زندگی ایسی غربت اور کسپہری کی نہیں رہی، اور ممکن ہے یہ بھی حساس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستور الحال بندے کی مجھ سے کوئی حق تلفی نہ ہو گئی ہو، اور اُس کو میری ذات سے کوئی ایذا کبھی نہ پہنچ گئی ہو۔

۹۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَاكِرَ الْحَدِيثِ بِطَوْلِهِ إِلَى أَنْ قَالَ لَنْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْصِيَنِي لَأَلَّ أَوْصِيَكَ بِتَقْوَى اللَّهِ لَأِنَّهُ أَزَيْنُ بِأَمْرِكَ لِحَلِّهِ لَنْتُ زِدْنِي لَأَلَّ عَلَيَّ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَأِنَّهُ يَذْكُرُ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَلَوْزُ لَكَ فِي الْأَرْضِ لَنْتُ زِدْنِي لَأَلَّ عَلَيَّ بِطَوْلِ الصُّمْبِ لَأِنَّهُ مِطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنُ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ لَنْتُ زِدْنِي لَأَلَّ يَاكَ وَخَفَرَةُ الصُّخْلِكِ لَأِنَّهُ يُبْمِثُ الْقَلْبَ وَيُلْهَبُ بَنُورَ الْوَجْهِ، لَنْتُ

۱ اکثر شارحین مشکوٰۃ نے حدیث کے آخری فقرے ”بحر جون من کل عبدا، مظلّمہ“ کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ ”اللہ کے وہ بندے تارک اور گمراہ آلود مکانوں میں سے برآمد ہوتے ہیں، لیکن اُن کے رہنے کے مکانات اندھیرے اور گمراہ آلود ہوتے ہیں۔“ اس عاجز کے نزدیک رائج یہ ہے کہ ”عبدا، مظلّمہ“ سے مراد فتوں کی کالی آندھیاں ہیں، اسلئے اس عاجز نے ترجمہ اور تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

زِدْنِي لَالِ الْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًا لَكْتُ زِدْنِي ۚ قَالَ لَا تَعْفُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَّيْسَ لَكَ زِدْنِي ۚ
قَالَ يَحْجُزُكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ۔ (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے بعد (یا تو خود حضرت ابوذر نے یا ان سے روایت کرنے والے نے) آپ کے (راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلہ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقوے کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کردینے والا اور سنوار دینے والا ہے، تمہارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اور وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑ لو، کیونکہ یہ تلاوت، اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمہارے ذکر کا، اور اس زمین میں نور ہوگا تمہارے لئے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا، حضرت! مجھے کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد دینے والی ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: زیادہ ہنسنا چھوڑ دو کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ حق اور سچی بات کہو، اگرچہ (لوگوں کیلئے) ناخوشگوار اور کڑی ہو۔ میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ، حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہئے کہ دو تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔ (شعب الایمان ص ۱۱۱)

تشریح۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اکثری عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تقوے کی فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت عزیز اور آراستہ کر دینے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقوے کو اپنا شعار بنالے، تو اس کی ساری زندگی اطاعت اور بندگی والی زندگی ہو جائے گی، اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہو جائے گا۔ پھر آپ نے تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں آسمانوں میں یعنی ملائعہ اعلیٰ میں تمہارا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے ”فَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيتَ“ (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت و ذکر کی دوسری برکت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نور تم کو حاصل ہوگا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور دراصل توبندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے آثار ظاہر میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے، اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہنچا سکتا ہے، جھوٹ غیبت، بہتان، گالی گلوں، چغل خوری وغیرہ، یہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”آدمیوں کو جہنم میں منہ کے بل اُن کے زبانوں کی مہیا کیا اس ہی ذلوا میں گی۔“ پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے، وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا۔ واضح رہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی امید نہ ہو، اُس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ کتاب الایمان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اُسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اسکے بعد آپ نے زیادہ نہ ہنسنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے، اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مرجانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حسی اور ایک طرح کی ظلمت آ جاتی ہے، اور اس کا اثر ظاہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ کلام میں آپ نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابو ذر کو یہ فرمائی کہ اپنے عیبوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو، اُس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہئے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو، بلاشبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا اور اپنے نفس کا ایک سچے مؤمن کی طرح احتساب کرتا رہے گا، اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے، اور وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ قصور وار اور گناہ گار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب اُن ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔

غافل اند این خلق از خود بے خبر لا جرم گویند عیبے یک دگر

(۱۰۰) عَنْ مُعَاوِيَةَ أَلَّهَ حَبَّ إِلَى عَالِيَةِ أَنْ اُكْتَبِي إِلَيَّ كِتَابًا تُوصِفِي فِيهِ وَلَا تُكْبِرِي لِكَبَرَتِ سَلَامَ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ فَلْيَنِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ التَّمَسَّ رَضِيَ اللَّهُ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَّاهُ اللَّهُ مُؤَنَّةَ النَّاسِ وَمَنْ التَّمَسَّ رَضِيَ النَّاسُ بِسَخَطِ اللَّهِ وَحَلَّهَ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامَ عَلَيْكَ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا، اور اُنہیں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں، لیکن بات مختصر اور جامع ہو، بہت زیادہ نہ ہو۔ تو حضرت ام المؤمنین نے اُن کو یہ مختصر خط لکھا:

سلام ہو تم پر۔ اما بعد! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے، لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے، تو اللہ مستغنی کر دے گا اُس کو لوگوں کی فکر اور بار برداری سے، اور خود اُس کے لئے کافی ہو جائے گا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے، تو اللہ اُس کو سپرد کر دے گا لوگوں کے۔ (جامع ترمذی) والسلام

تشریح..... اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاص کر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی امید ہو، تو بہت سے لوگ خفا ہوتے ہیں، جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی امیدیں ہیں، اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں اور اگر وہ ان لوگوں کی منشا کے مطابق چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو تا ہے ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اُس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے رضاء الہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا اور ان کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کر دیں گے، اور اُن بندوں ہی کے حوالہ کر دیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔ حاصل یہ کہ اگر بندہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اُس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو اُسے چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین اور اصول حیات بنالے، اور اُس کے قلب مؤمن کی صدا یہ ہو ع

با خدا داریم کار و با خلایق کار نیست

یہ نصیحت اگرچہ لفظوں میں مختصر ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ معنی و مقصد کے لحاظ سے

ایک پورا دفتر ہے۔

معارفُ الحديث

حصّة دوم

کتاب الاخلاق

دین میں اخلاق کا درجہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقی حسن اختیار کرے، اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، اُن میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (وَمِنْ كِتَابِهِ) اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ میں اخلاق کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگوار کی ساتھ گزرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں، تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کے وہ نقد و نیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بد اخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ اللہ اعلم بالصواب!

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے جوار شادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسن اخلاق پر زور دیا ہے اور اُس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاقی حسن اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بد اخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اول کے آنحضرت ﷺ کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت

(۱۰۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ حَيَاةِ عَمَلٍ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ (رواه ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابو داؤد، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اُس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اُس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق ہمہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہم عمل اور برائی کیلئے ایمان بمنزلہ روبرو اور جان کے ہے، اسلئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے، اسلئے اللہ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۱۰۳) عَنْ أَبِي الثَّوْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ أَنْفَلَ شَيْئِي يَوْضَعُ لِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ خُلُقِي حَسَنًا۔ (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو الثؤدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مؤمنین کی میزان میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اُس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابو داؤد، ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُؤَيِّنَةٍ قَالَ لَأَلْوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا غَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ الْغُلُقُ الْحَسَنُ۔ (رواه البيهقي في شعب الایمان والبعوی فی شرح السنة عن اسامة بن شریک)

ترجمہ: قبیلہ خزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا، کیا رسول اللہ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”اچھے اخلاق“۔ (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنہ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے۔)

تشریح: ان حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاق حسنہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ جو ان ارشادات کے مخاطب تھے اُن کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے، پھر ان کے بعد دنیاوی زندگی کے جو مختلف اجزاء رہتے ہیں اُن میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اور یہاں شیعہ اخلاق کا مقام بہت بلند ہے۔ اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص اہمیت حاصل ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنْ الْمُؤْمِنَ لَيَذَرِكَ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةً لَالِيَمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحبِ ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نقلی نمازیں پڑھتے ہوں، اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابن ماجہ)

تشریح۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مؤمن ہو، اور ساتھ ہی اس کو حسنِ اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفسیں نہ پڑھتا ہو، اور کثرت سے نقلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے اُن شب بیداروں و عبادت گزاروں کا درجہ پالے گا جو قائمِ لیل اور صائمِ النہار ہوں یعنی جو راتیں نینوں میں کاتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

(۱۰۶) عَنْ مَعَاذٍ قَالَ كَانَ إِخْرَمًا وَصَالِيًا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَعْتُ رِجْلِي لِي الْغُرْزَانَ قَالَ يَا مَعَاذُ أَخْبِنِ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ۔ (رواہ مالک)

ترجمہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا، وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ، یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد)

تشریح۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، مدینہ طیبہ سے اُن کو رخصت کرتے وقت آپ نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کیں تھیں جو حضرت معاذ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے، اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت ﷺ کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا، اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا، تو اُس وقت آخری نصیحت حضور ﷺ نے مجھ سے یہ فرمائی تھی، کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بد معاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے بغیر ان کا علاج نہ ہو سکتا ہو اُن کے ساتھ بھی نرمی کی جائے، یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور مہذبیت ہوگی۔ بہر حال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں اُن پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حسنِ اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

ف۔۔۔۔۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت معاذ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید اس کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، اور بجائے میرے امیرِ ی مسجد اور میری قبر پر تمہارا گزر ہو۔ اور چونکہ آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی، اس لئے حضرت معاذ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضور ﷺ

کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمانِ اران کو تسلی دی، کہ ”اِنَّ اَوْلٰى النَّاسِ بِى السُّنَّةُوْنَ مِنْ كُنَاوَا وَحِثْ كَانَا“ (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذؓ کی واپسی حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں نہیں ہوئی، اور جب آئے تو آپ کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

۱۰۷) عَنْ مَالِكٍ بَلَّغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعِثُّ لَا تَجَمُّ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ۔

(رواہ فی الموطا و رواہ احمد عن ابی ہریرۃ)

ترجمہ۔ حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میں اس واسطے بھیج گیا ہوں کہ اخلاقِ خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں۔ (امام مالکؒ نے اس کو اپنی موطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔)

ترجمہ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارمِ اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جز ہے۔

۱۰۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ۔ حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ ”اِنْ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبُكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَزِدُّ الْقِسْمَةَ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا“ (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن اُن ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسنِ اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

حسنِ اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا بھی پڑھ لیجئے اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجئے۔

۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِيْ لِاَحْسَنِ خَلْقِيْ (رواہ احمد)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

کرتے تھے: ”اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کر دے۔“

ف..... رسول اللہ ﷺ جسے اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے، انشاء اللہ کتاب الدعوات میں آپ کی دودعا میں نقل کی جائیں گی۔ یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجئے۔ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دوران نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِ إِلَّا أَنْتَ وَأَصْرِفْ عَنِّي سَبِيئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَبِيئَهَا إِلَّا أَنْتَ

اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا، اور بُرے اخلاق کو میری طرف سے بٹا دے، ان کو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

یہ حدیثیں حسن اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دی ہے، یا بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اچھے اور برے اخلاق

رحمدلی اور بے رحمی

رحمت..... دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمن اور رحیم اسکے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اُسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم کھانے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں

(۱۱۰) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرَحَّمُ اللَّهُ مَنْ لَا يُرَحِّمُ النَّاسَ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لئے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔ (بخاری و نسیم)

تشریح..... اس حدیث میں ”الناس“ کا لفظ عام ہے، جو مؤمن و کافر اور متقی و فاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اسکے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو، تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْزَحِمُونِ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مِنَ فِي السَّمَاءِ۔ (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کریگا۔ (سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

اس حدیث میں زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں، آگے آنے والی حدیثوں میں اس عموم کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

ایک شخص پیاس سے وہ پانی پانے پر بخش دیا یہ

(۱۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اسْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِنَاءً فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْتَمِسُ يَأْكُلُ التُّرَابَ مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبُ مِنْ الْعَطَشِ فَمَلَأْتُ الْبَدْنِ كَيْفَ بَلَغَ مِنْ الْعَطَشِ فَقَالَ الْكَلْبُ لَوْ أَنَّكَ لَمْ تَفْعَلْ لَكُنَّا لَمُوتًا لَوْلَا مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ وَإِنْ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ لِي مِثْلُ ذَاتِ عَجَبٍ وَطَبِيعَةِ أَجْرٍ۔ (رواہ البخاری و مسلمہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس اثناء میں کہ ایک آدمی راست چلا جا رہا تھا، اُسے سخت پیاس لگی، چلتے چلتے اُسے ایک کنواں ملا، وہاں سے اندر اُتر اور پانی پی کر باہر نکل آیا، کنوئیں کے اندر سے نکل کر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کچھ کھا رہا ہے۔ اس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی، اور وہ اس کتے پر رحم کھا کر پھر اس کنوئیں میں اُتر اور اپنے چمڑے کے مونڈے میں پانی بھر کر اُس نے اُس کو اپنے منہ سے تمبا، اور کنوئیں سے باہر نکل آیا، اور اُس کتے کو وہ پانی اُس نے پلایا، اللہ تعالیٰ نے اُسکی اس رحمدلی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اسی عمل پر اُسکی بخشش کا فیصلہ فرمادیا۔ بعض صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ واقعہ سُن کر دریافت کیا، کہ یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لئے اجر و ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور (کی تکلیف دور کرنے) میں ثواب ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے، اور اُس کا کرنے والا اُسی پر بخش دیا جاتا ہے، اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ آپ ذرا سوچئے! ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا ہے، اُس کو پیاس لگی ہے، اسی حالت میں اُس کو ایک کنواں نظر پڑ گیا، لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان نہ سی ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اس لئے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لئے خود ہی کنوئیں میں اُتر گیا، وہیں پانی پیا اور نکل آیا، اب اُس کی نظر ایک کتے پر پڑی، جو پیاس کی شدت سے کچھ چاٹ رہا تھا، اُسکو اُس کی حالت پر ترس آیا، اور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں، اُس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہوگا کہ اپنا راستہ لوں اور منزل پر جلدی پہنچنے کے آرام کروں، اور دوسری طرف اُس کے جذبہ رحم کا داعیہ یہ ہوگا کہ خواہ میرا راستہ کھوٹا ہو، اور خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں

اللہ کی اس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں، اس کشکش کے بعد جب اُس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبہِ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اور کنوئیں میں اتر کر موزے میں پانی بھر کر اور منہ میں موزا تھام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا، اور اُس پیاسے کتے کو پانی پاتا تو اُس بندہ کی اس خاص حالت اور ادا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آگیا، اور اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اس فیصلہ کا تعلق صرف کتے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ جس خاص حالت میں اور جس جذبہ کے ساتھ اُسے یہ عمل کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا، اور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کر دیا۔

(۱۱۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ لِأَدَا فِيهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَ وَذَرَلَتْ عَيْنَاهُ فَاتَاهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَسَحَ ذَكَرَاهُ لَسَكَّتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هَذَا الْجَمَلُ؟ لَجَاءَ فَنَى مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ لَهُ أَفَلَا تَتَّقِي اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَكَكَ إِيَّاهُ؟ فَإِنَّهُ شَكَى إِلَيَّ أَلَّا تُجِيعُهُ وَتَذْبِئُهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ تھا، جب اُس اونٹ نے آپ کو دیکھا، تو ایسا ڈر کر آیا اور ایسی درد بھری آواز اُٹانے لگا جیسی بچے کے جدا ہونے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے، اور اُسکی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اُسکے قریب تشریف لے گئے، اور آپ نے اُسکی کنوئیں پر اپنا دستِ شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ اسکا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آئے، اور انہوں نے عرض کیا، حضرت! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارہ میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اسکا مالک بنایا ہے، اگلے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اسکو بھوکا رکھتے ہو، اور زیادہ کام لے کر تم اس کو بہت دکھ پہنچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے (وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَ الطَّيْرِ) اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی جانوروں کی بات چیت معجزانہ طور پر سمجھ لیتے تھے۔ اس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا، اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے، بظاہر وہ اسی قبیل سے ہے، اور گویا حضور ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو، اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُس کے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو، اور اُس پر کام کا بوجھ بھی اُس کی قوت سے زیادہ نہ لے۔

دنیا نے "اسد اب رحیمی" کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اب سے قریبا چودہ

سورس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

(۱۱۴) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ لَالٍ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ لَنُطْلُقَ لِيُحَاجَّجَهُ لِرَأْيِنَا حُمْرَةً مَعَهَا لُرْعَانٌ لَنُغْلِظَ لُرْعَانَهَا لِرُجَائِنَا لِحَاجَّتِ الْحُمْرَةُ لَجَعَلْتُ تَعْرِضُ لِحِجَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ لَبَّعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا ؟ رَدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا - وَرَأَى قُرَيْبَةً نَمْلٍ لَدَ حَرَقْنَا مَا لَقَّالَ مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ ؟ قُلْنَا نَعَمْ لَالٍ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُلْعَبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ - (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، اس اثنا، میں ہماری نظر ایک سرخ چڑیا (غالباً نیل کھنہ) پر پڑی، جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اس کے دو بچے بھی تھے ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا، وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، آپ نے فرمایا، کس نے اس کے بچے پکڑ کے اسے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔ اور آپ نے چوہنیوں کی ایک ہستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چوہنیوں کے بہت سوراخ تھے اور چوہنیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی۔ آپ نے فرمایا، کس نے ان کو آگ سے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ (ہم نے ہی آگ لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا، آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔

(مشن پبلشرز)

تشریح..... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتیٰ کہ زمین کی چوہنیوں کا بھی حق ہے کہ اُن کو بلاوجہ نہ ستایا جائے۔

(۱۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو لَالٍ لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَتْ امْرَأَةُ النَّارِ فِي هِرَّةٍ وَرَبَّكَهَا لَكُم تَطْعِمُهَا وَلَمْ تَدْعُهَا تَأْكُلْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ - (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک بے درد اور بے رحم عورت اسلئے جہنم میں گرائی گئی کہ اُس نے ایک بلی کو باندھ کے (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اسے خود کچھ کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (ابن ابی شیبہ)

تشریح..... حضرت جابرؓ کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی اور آنحضرت ﷺ نے عیب معراج میں یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں پختہ خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بے دردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اللہم احفظنا!

(۱۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَنْزِعُ الرَّحْمَةَ إِلَّا مِنْ خَلْقِي۔ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے صادق و مصدوق سیدنا ابوالقاسمؑ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جا تا رحمت کا مادہ مگر بد بخت کے دل سے۔

(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ وَجَلَّاهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَسْوَةٍ لَهَا لَمَّا امْتَسَحَ رَأْسُ

التَّشْرِیح۔ مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بد بخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بد بخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ وَجَلَّاهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَسْوَةٍ لَهَا لَمَّا امْتَسَحَ رَأْسُ النِّضْمِ وَأَطْعِمَ الْمُسْكِينَ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ سے اپنی قساوت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح۔ سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بد بختی کی نشانی ہے، سائل نے رسول اللہؐ سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کر کے آپ سے علاج دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی بہایت فرمائی، ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو، اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہؐ کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضورؐ کے اس ارشاد سے اُس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدبیر اُس کی یہ بھی ہے کہ اُس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کر لے، انشاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اُس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہر حال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا کھانا دار اصل جذبہ رحم کے آثار میں سے ہے، لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل بہ تکلف ہی کرنے لگے، تو انشاء اللہ اُس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخشش

سخاوت، یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا، اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے، جس طرح بخل اور کج خوئی، یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا، اور دوسروں کے کام نہ آنا بہرحم اور سخت دلی ہی کی ایک

خاص صورت ہے۔ ان دونوں کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سنئے:

(۱۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ - وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِيلُ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اس کو قرب خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ سے بندہ اس کی سخاوت کی صفت کی وجہ سے اس سے شغلق اور محبت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل اور کنبوس آدمی اللہ سے دور، یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اس کی کنبوسی کی وجہ سے وہ اس سے الگ اور بے تعلق رہتے ہیں) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے، اور بلاشبہ ایک ب ظم تخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار کنبوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ (ایضاً ترمذی)

(۱۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْفِقْ أَنْفِقْ عَلَيْكَ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں و ارشادات کے تم و دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشور ازل سے کہ جو بندے اپنی کمائی اور اپنی محنت دوسرے خدمت و رت مندوں پر صرف کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے ان کو برابر عطا فرماتا رہے گا، اور وہ ہمیشہ فقر و فاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

(۱۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا لَقَالَ لَا۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: یعنی رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو "نہیں" کہہ کر واپس نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس نہ ہوا، تو آپ نے قرض منگوا کر دیا۔

(۱۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عِنْدِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّيْتُ أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَى ثَلَاثِ لَيَالٍ وَ عِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْءٌ أَرْضُهُ لِدِينِي۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو، تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گزریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اس کے کہ میں کسی قرض کی ادائیگی کے لئے اس میں سے کچھ روک لوں۔ (بخاری و مسلم)

(۱۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَلَا يُنَامُ فِي قَلْبِ عَبْدٍ أَبَدًا۔ (رواہ السنن)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حرص و مغل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بخل و کجی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (سنن نسائی)

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور مغل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا، اور جس میں مغل دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بعد دل میں بخل اور کجی جیسی کسی خصلت کیلئے، کُل گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

(۱۲۳) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ حَبٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا مَنَانٌ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہ جاسکے گا۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بُری خصلتیں (دھوکہ بازی، کجی اور احسان کر کے جتنا) ان خطرناک اور تباہ کن عادات میں سے ہیں جو جنت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں، اس لئے جو بندے جنت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں، انکو چاہئے کہ ان عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا

رحم دلی کی جز سے جو شاخص پھونکتی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصور وار کو معاف کر دیا جائے، اور اس سے انتقام نہ لیا جائے، رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے۔ چند ہی ورق پہلے کتاب التہذیب کے آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے نوابتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے، اور اُن میں سے ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی، کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے، میں اُس کو معاف کر دیا کروں۔ اس سلسلہ کی ایک و حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجئے۔

(۱۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا هَمَّ أَبَا بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ يَتَعَجَّبُ وَيَتَسَمُّ

فَلَمَّا أَكْثَرَ رَدُّ عَلَيْهِ بَعْضُ قَوْلِهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَامَ لِلْحِقْفَةِ أَبُو بَكْرٍ
وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَانَ يَشْتُمُنِي وَأَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَيْهِ بَعْضُ قَوْلِهِ غَضِبْتَ
وَلَمْتُ لَأَن كَانَ مَعَكَ مَلِكٌ يَرُدُّ عَلَيْهِ لَمَّا رَدَدْتُ عَلَيْهِ وَلَقِيَ الشُّبَّانَ، ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ
فَلَنَّا كُلُّهُنَّ حَقٌّ مَا مِنْ عَبْدٍ ظَلِمَ بِمُظْلَمَةٍ لِنُغْنِي عَنْهَا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا أَعَزَّ اللَّهُ بِهَا نَصْرَهُ
وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُرِيدُ بِهَا صِلَةً إِلَّا زَادَ اللَّهُ بِهَا خَيْرَهُ، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ
يُرِيدُ بِهَا خَيْرَهُ إِلَّا زَادَ اللَّهُ بِهَا قِلَّةً۔ (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، (اور آپ اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور ابو بکر کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) تعجب اور قسم فرما رہے تھے، پھر جب اُس آدمی نے بہت سی زیادہ گالیاں دی (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو ابو بکر نے بھی اُس کی بعض باتوں کو اُس پر اُٹ دیا اور کچھ جواب دیا، پس رسول اللہ ﷺ کچھ ناراضی کے ساتھ وہاں سے اُنھ کو چل دیئے (حضرت ابو بکر کو اس سے بہت فکر لاحق ہوئی، اور وہ بھی معذرت کے لئے اور حضور ﷺ کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے پیچھے چلے)۔ پس ابو بکر آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا، تو حضور ناراض ہو کر اُنھ آئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جب تک تم خاموش تھے، اور صبر کر رہے تھے تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جواب دہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دیا، تو وہ فرشتہ تو چلا گیا، (اور) شیطان بیچ میں آگیا (کیونکہ اُسے امید ہو گئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اے ابو بکر! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کی جائے اور وہ محض اللہ عز و جل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے) تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی بھرپور مدد فرمائیں گے (دنیا اور آخرت میں اُس کو عزت دیں گے)۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض اُس کو اور بہت زیادہ دیں گے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کیلئے سوال اور گدگری کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور زیادہ کم کر دیں گے۔ (مسند احمد)

تشریح..... انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن فضیلت اور عزیمت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ انھیں انصاف میں سے تھے، اس لئے آپ نے ان کی طرف سے تھوڑی سی جوہد ہی کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

وَجَزَّاءُوا سَيِّئَةً مِّمَّا ظَنُّوا أَنَّهُمْ كَانُوا يَفْعَلُونَ عَفَا وَأَصْلَحَ لَأَجْرِهِ عَلَى اللَّهِ - (شوری ۴۲: ۱۰)

اور برائی کا (قانونی) بدلہ اُسی کی مثل برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی کسی نے کی، اُس کے بدلے میں اس کے ساتھ اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے لیکن اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے اور معاف کر دے اور صلح و اصلاح کی کوشش کرے، تو اس کا خاص اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

(۱۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ

السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزَّ عِبَادَكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ إِذَا قُتِلَ عَقْرًا - (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ بندے جو (قصور وار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں۔ (شعب الایمان ۱۲۵)

ترشح..... یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قصور وار کا قصور معاف کرنے کی اس فضیلت کا تعلق افراد و اشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے، لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر سزا مقرر ہے، اُس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ جو دنیا میں سب سے زیادہ رحمدل تھے، آپ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنیوالوں کو ہمیشہ معاف فرمادیتے تھے۔ لیکن اللہ کی حدوں کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: ^۱ وَمَا نَسَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَ حُرْمَةَ اللَّهِ فَيَسْتَعْفِفُ

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْ

أَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ لَصَمَّتْ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْ أَعْفُو

عَنِ الْخَادِمِ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً - (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے اُسکو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اُس نے پھر وہی عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (ابن ماجہ ۱۲۶)

ترشح..... سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے، تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں، اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ نے جواب دیا کہ:

① مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔

اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے، تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔ حضور ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکی حد مقرر کی جائے، بلکہ حسن اخلاق اور ترحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے تو اسکو معاف ہی کر دیا جائے۔
ف..... جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے، ستر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے، اور خاص کر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

احسان

رحم ہی کی شاخوں میں سے، یایوں کہہ لیجئے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے، احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اُسکو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا اُسکا کوئی کام کر دیا جائے، اُسکو آرام پہنچایا جائے، یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کیلئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے امت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

(۱۲۷) عَنْ أَنَسٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَلْقَ عِيَالُ اللَّهِ لَأَحَبُّ

الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مِنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ - (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور اُن کی ضروریات حیات کا کھینچنا اللہ تعالیٰ ہی تکفیل ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل و عیال کی روزی اور اُن کی ضروریات کا بھجرا تکفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

تشریح..... ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کے ساتھ احسان کرے اُس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی اُن کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

ف..... یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کی ساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اُس کو انعامات سے نوازاؤں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہو گئے یا دوسرے ناقابل معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہوں، (مثلاً قتل و غارتگری، ڈاکہ

زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک بھی کریں، تب بھی وہ اس احسان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے، اور یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے بانیوں اور پیشہ ور مہجر مول سے نہیں ہے۔

(۱۲۸) عَنْ حَلِيفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُونُوا أَمْعَةً تَقُولُونَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنًا وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا وَلَكِنْ وَطِنُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تَحْسِنُوا وَإِنْ أَسَاءُوا فَلَا تَظْلِمُوا۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دوسروں کی دیکھنا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو کہ کہنے لگو کہ اگر اور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے، اور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کر دو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اور حسن سلوک کا چلن ہو یا ظلم اور بد سوئی کا دور دورہ ہو، اہل ایمان کو چاہئے کہ اُن کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی کا رہے۔ نیز یہ احسان صرف اُن ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں، بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں، اُن کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رویہ رکھیں۔ ”تہذیب الاخلاق“ کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اُس کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور جو مجھے نہ دے، جب میرے لئے دینے کا وقت آئے تو میں اُس کو بھی دوں۔“

(۱۲۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَفَضِي لِأَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي حَاجَةً يُرِيدُ أَنْ يُسَرَّهُ بِهَا لَفَضْتُ سُرَّتِي وَمَنْ سَرَّ اللَّهُ لَفَضْتُ سَرَّهُ اللَّهُ وَمَنْ سَرَّ اللَّهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی نے میرے کسی امتی کی کوئی حاجت پوری کر دی اُس کا دل خوش کرنے کے لئے تو اُس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے میرے اللہ کو خوش کیا، اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کو اپنے امتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے، اُس کا اندازہ اس حدیث سے بھی کیا جاسکتا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے کسی امتی کو خوش کرنے کیلئے اُس کا کوئی کام کر دینا اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ ﷺ کو خوش کرنے والا عمل ہے، اور اس کا سہلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی

اور جنت ہے۔

(۱۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّاعِي عَلَى الْأَزْمَلَةِ وَالْمُسْكِينِ كَالسَّاعِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يَفْطُرُ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین یا جہمند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو، وہ اجر و ثواب میں اُس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو۔ راوی کہتے ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔ اور اُس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اُس دائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔

(الحج بن یزید، صحیح مسلم)

تشریح:..... جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا، احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے، لیکن خاص کر کسی بے سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اُس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا اتنا اونچا عمل ہے کہ اسکے کرنے والے بندے اجر و ثواب میں اُن بندوں کے برابر ہیں جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں، یا جو صائم النہار اور قائم اللیل ہوں۔

چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے

(۱۳۱) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُحَقِّرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ فَإِنَّ لَمْ يَجِدْ لِلنَّفَقِ أَخَاهُ بِوَجْهِ طَلِقٍ وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ لِقَدْرًا فَكُثِّرْ مَرَّتَهُ وَاعْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے، پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خریدو یا باندی پکڑو تو اُس میں شور باڑھا دیا کرو، پھر چپے بھر اُس میں سے اپنے پڑوسی کے لئے بھی نکالا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرے حسب استطاعت اُن کو تحفے دیا کرے، اور اگر تحفہ دینے کیلئے کوئی زیادہ بڑھیا چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رُکے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جمینی کے ساتھ اُن سے ملا کرے، یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے،

اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کربہ سکتا ہے، کہ جب کبھی گھر میں گوشت کپے تو اس میں شور باپ بچہ زیادہ کر لیا جائے، اور کسی پڑوس کے گھر بھی اس میں سے بھیج دیا جائے۔

در اصل حسن سلوک کی ان آخری صورتوں کا ذکر حضور ﷺ نے بطور مثال کے کیا ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وید و سروں کے ساتھ احسان کرے۔

(۱۳۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ حَيْثَا وَانَ مِنَ

الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلَبٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ ذَلُوكَ لِيْ إِنْ لَمْ يَأْخُذْكَ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم حسن سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو، اور اس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شکستہ روئی کے ساتھ ملو، اور یہ بھی (حسن سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ذول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ۔ اس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ذول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو اور اس کو جو آرام تم پہنچا سکتے ہو، اور جس طرح تم اس کے کام آ سکتے ہو، اس میں دریغ نہ کرو، اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مودت کی فضا ہو، اور کیسا بھائی چارہ ہو۔ ان حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کرنا دو قسم کی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں غریبا بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ امیروں کے شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کوئی دوسرا احسان مند اس کے سامنے آجائے تو وہ چیز اس کو دیدے، اور خود تکلیف اٹھالے، اسی کا نام ایثار ہے، اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے، رسول اللہ ﷺ کا خود اپنا طرز عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

(۱۳۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَرْدَةٍ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ اكْسُوكَ هَذِهِ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَأَاهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَحْسَنَ هَذِهِ فَأَخْسَيْنِيهَا فَقَالَ لَقَدْ نَعَمَ لَكُمَا لَمْ يَأْخُذْكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَمَةُ أَصْحَابُهُ قَالَ مَا أَحْسَنَتْ جِئَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَسَلَّمَ أَخَذَهَا مُخْتَاجًا إِلَيْهَا ثُمَّ سَأَلَتْهُ إِيَّاهَا وَقَدْ عَرَفَتْ أَنَّهُ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا لِمَنْعَتِهِ لَقَالَ رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِينَ لَبَسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلِّي أَكْفَنُ لِبَاسًا - (رواه البخاری)

حضرت اسلم بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی، اور عرض کیا کہ حضرت! میں یہ چادر آپ کو ارہان چاہتی ہوں۔ آپ نے وہ چادر قبول فرما کر اوزن لی، اور آپ کی حالت یہ تھی کہ اس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے آپ کو وہ چادر اوزن سے دیکھی تو عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ تو مجھے حمایت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا (اور وہ چادر اسی وقت اتار کر ان صاحب و دیدی) پھر جب رسول اللہ ﷺ اس شخص سے اٹھ گئے، تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی، اور کہا: تم نے یہ اچھا نہیں کیا، تم نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو خود اس کی ضرورت تھی، اور آپ نے حاجتمندی کی حالت میں یہ چادر اس کی قوت سے قبول کی تھی، اس کے باوجود تم نے حضور ﷺ سے اس کو مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی آپ سے مانگی جائے، آپ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ ان صاحب نے عرض کیا: میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پہن لیا تھا، اب مجھے امید ہے کہ یہی مبارک چادر میرے اکٹھن بنے گی۔ (صحیح بخاری)

۱۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي مَجْهُودٌ فَأَرْسَلْ إِلَيَّ بَعْضَ سَبَاتِهِ لَقَالَتْ وَالَّذِي بَعْثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيَّ أُخْرَى لَقَالَتْ مِثْلَ ذَلِكَ وَلَقِنِ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُضَيِّفُهُ يَرْحَمَهُ اللَّهُ لَقَامَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَأَنْطَلِقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ لَقَالَ لِمَ رَأَيْتَهُ هَلْ عِنْدَكَ خُبْزٌ قَالَتْ لَا إِلَّا لَوْثٌ صِبْيَانِي قَالَ لَعَلَّيْهِمْ بَشَنٌّ وَ نَوْمِيهِمْ لَإِذَا دَخَلَ صَبَفْنَا قَارِيَهُ أَنَا نَأْكُلُ لَإِذَا أَهْوَى بِيَدِهِ لِيَا كُلُّ قَوْمِي إِلَى السَّرَاجِ كُنِي تُصْلِحِيهِ لَأَطْفِيئِيهِ لَفَعَلْتُ لَفَعَدُوا وَ أَكَلُ الضِّيفُ وَ بَاتَا طَارِئِينَ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللَّهُ وَأَوْصَحَكَ اللَّهُ مِنْ لَكْلَاحٍ وَ لَكْلَاحَةٍ - (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، میں بڑا دکھی فقیر ہوں (مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے) آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کے پاس کہا: بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو، تو ایک ایسے حاجت مند کیلئے بھیج دو) وہاں سے جواب ملا، کہ قسم! اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کہا: کھانے کے بھیجا، وہاں سے بھی

یہی جواب ملا، پھر (یکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں کہلا کے بھیجا، اور) اُن سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد) آپ نے صحابہ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میں سے کون اس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے، اُس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوگی! انصار میں سے ابو طلحہ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بنا تا ہوں۔ چنانچہ وہ اُس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا (اس وقت ایک مہمان کے لئے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا، کہ بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میرے اور تمہارے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابو طلحہ نے کہا، تو پھر ایسا کرو کہ اُن بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے (بلا کھلائے) سلاؤ، اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے تو (اپنے طرز عمل سے) اُس پر یہ ظاہر کرنا اور ایسا کھانا کہ (اُس کے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کیلئے ہاتھ بڑھائے (اور کھانا شروع کر دے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جانا اور اُس کو گل کر دینا (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اُس کے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان ہی نے کھایا، اور ان دونوں میاں بیوی نے جو کے رہ کر رات گزاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اُن کا اور اُن کی بیوی کا نام لے کر اُن کو خوش خبری سنائی کہ، اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا روای کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے ”عجب اللہ“ کا لفظ بولا تھا یا ”صَحَّحَ اللہ“ کا۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۹)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے عملی نمونے نے صحابہ کرامؓ میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کر دی تھی یہ واقعہ اُس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

”وَلَوْ رُوُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ (سورۃ حشر ۵۹: ۹)

ابو طلحہ انصاری کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص الخاص درجہ نصیب ہوا، اُس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بطور مجاز یا استعارہ کے ”عجب“ یا ”صَحَّحَ“ کا لفظ بولا، ورنہ ظاہر ہے کہ حیرت و تعجب کرنا اور ہنسنا، اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

اُنس و محبت اور بیگانگی و عداوت

رسول اللہ ﷺ نے اُنس و محبت کو بھی خاص ایمانی صفات میں سے بتلایا ہے اور کیوں نہ ہو، خود آنحضرت ﷺ اُنس و محبت کا ایک پیکر تھے، اور آپ کی ہر خصلت بلاشبہ ایمانی خصلت ہے۔

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْمُؤْمِنُ مَالِفٌ وَلَا خَيْرَ لِمَنْ لَا يَالِفُ وَلَا يُؤَلَّفُ» (رواه احمد والبيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا، اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو انس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے۔ اس حدیث میں اُن شک مزان متحقق حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں۔ البتہ مؤمن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور اُن کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ صحابی و صحابی للہ رب العالین O

اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض و عداوت

(۱۳۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى: الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ» (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کیلئے ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۰)

تشریح:..... کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کیلئے کسی سے بغض رکھے، بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے، کتاب ایمان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ سے فرمایا، کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا، اور اللہ کیلئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

اللہ کیلئے محبت و حاصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے

(۱۳۷) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا أَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلَّهِ إِلَّا أَنْ كَرَّمَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ» (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کیلئے کسی بندہ سے محبت کی، اُس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

تشریح..... یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندے سے اللہ سیلے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا اور اصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کیلئے آپس میں میل محبت کرنیوالے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں

(۱۳۸) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَأَلَّهُ تَعَالَى وَحَبَّتْ مُحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ لِي وَالْمُتَجَالِسِينَ لِي وَالْمُعْتَزِّينَ لِي وَالْمُتَعَادِلِينَ لِي -

(رواه مالك)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے اُن لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں، اور میری وجہ سے اور میرے تعلق سے کہیں جدو جہد نہیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں، اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (ابن ماجہ)

تَشَرُّقَ..... اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کیلئے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھے ہیں اللہ کیلئے بیٹھے ہیں جس سے ملتے ہیں اللہ کیلئے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کیلئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں، اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّينَ فَلَا وَ الْمُتَحَابِّينَ فَلَا وَالْفَرِادِیْنَ فَلَا وَالْمُتَحَابِّينَ فَلَا (اے اللہ! ہمیں اپنے ان بندوں میں سے کر دیجئے جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے باہم جُود کے بیٹھے ہیں، تیرے ہی لئے آپس میں ملتے ہیں، اور تیری ہی رضا کیلئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)۔

(١٣٩) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخَاهُ فِي لُزْمَةٍ أُخْرَى فَلَا رَحْمَةَ
اللَّهُ لَهُ عَلَى مَنْزِلِهِ مَلَكًا، قَالَ أَتَيْتُ قُرْبَهُ لَأَلْ أُرِيَهُ الْقُرْبَةَ لَأَلْ هَلْ لَكَ مِنْ
بِعْمَةٍ تَرَاهَا لَأَلْ لَا غَيْرَ أَتَى أَحَبَّهُهُ فِي اللَّهِ لَأَلْ لَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكَ يَا اللَّهُ لَأَلْ أَحَبُّكَ كَمَا
أَحَبَّهُتَهُ فِيهِ - (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے، جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا، ملاقات کیلئے چلا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گنڈر پر ایک فرشتہ کو منظر بنایا کہ، بھائی (جب وہ شخص اس مقام سے گنڈر اتارے) فرشتہ نے اُس سے پوچھا، تمہارا کیا کارادو ہے؟ اُس نے کہا، میں

اس ہستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا، کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے، اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ اُس بندہ نے کہا، نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی لٹنی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں)۔ فرشتہ نے کہا، کہ میں تمہیں بتاتا ہوں، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اُس کے اس بندے سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... یہ واقعہ جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی امت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آ سکتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں دو بدو کر سکتے ہیں، حضرت جبرئیل کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا، اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت ﷺ کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور اس لٹنی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ فطوبی لبم و بشری لبم (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)۔

اللہ کیلئے محبت کرنا ان لوگوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز

(۱۴۰) عَنْ عُمَرَ لَانَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ لَأَتَانَا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَنْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِمَكَائِهِمْ مِنْ اللَّهِ فَالْوَا يَا رَسُولَ اللَّهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللَّهِ عَلَى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَ أَمْوَالٍ يَتَصَاوَرُونَ قَوْلَ اللَّهِ إِنَّ وَجْهَهُمْ لَنُورٌ وَ أَنَّهُمْ لَعَلَى نُورٍ لَا يَخْفَوْنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَخْزَوْنَ إِذَا خَزَنَ النَّاسُ وَ كَرَّاءَ هَلِةِ الْأَيَّةِ الْآلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمیں بتلا دیجئے، کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے خدا کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے بلکہ سر اسر نور ہوں گے، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس

وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے، اور جس وقت عام انسان بتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے، اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”اَلَا اِنَّ اَوَّلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ“ (معلوم ہونا چاہئے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، اُن کو خوف و غم نہ ہوگا۔) (سُورۃ بَنۡیِیٰۃ)

تشریح..... اس دنیا میں خوفی رشتہ اور قربت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو بدیہ اور تحفہ دیتا ہے تو اُس میں اُس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن کسی رشتہ اور قربت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیہ اور تحفہ کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جسکی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے، اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ اس درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کمرہ رہے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اس لئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے، بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگانِ خدا جن کے مقامِ قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کر لیا گیا ہے: ”هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرَوْحِ اللّٰهِ“ اس لفظِ رَوْحِ کوڑ کے پیش کے ساتھ رَوْحِ بھی پڑھا گیا ہے، اور زبر کے ساتھ رَوْحِ بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگانِ خدا ہوں گے جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت والفت کی۔ دین اُس اخروی زندگی کے لئے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ روح کے بھی ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور روح کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنیوالے ان بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا، ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شادان و فرحان ہوں گے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O

اللہ کیلئے محبت کرنیوالے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں

(۱۴۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِحَبْلِي الْيَوْمَ أُظْلِمُ لِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ خیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان، کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ دراصل استفہام و استفسار کیلئے نہ ہوگا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علی رؤس الاشباد اس لئے بلند ہوگی کہ اُن بندگانِ خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہل حشر اور تمام اولین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے، اور سب سُن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنیوالوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

محبت ذریعہ کُرب و معیت

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَقُولُ لِي رَجُلِي أَحَبُّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہے۔ (یاد رہے کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ۔ سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندہ سے یا اہل صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجہ کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود اُن بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کیلئے اور دین کے تعلق سے محبت تھی۔ اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

ہم لوگوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو) کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ انت مع من احببت ”تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو“ پس میں بعد اللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہؐ سے اور ابو بکرؓ عمرؓ سے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگرچہ میرے اعمال ان حضرات کے سے نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہئیں:

محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب

اول یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محبت و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا، بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خدام اپنے خدو مملوک کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

محبت کیلئے اطاعت لازم

دوسری بات یہ ہے کہ محبت کیلئے اطاعت لازم ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو، اور اس کی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں، اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کواہل محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ حضرت رابعہؓ نے ایسے ہی مدعیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اور بالکل صحیح فرمایا ہے:

تَفْصِي إِلَا لَهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حَقَّهُ هَذَا لَعَمْرِي لِي الْقِيَاسُ بَدِيعُ
لَوْ كَانَ حُكُّكَ صَادِقًا لَا طَعَنَ إِنَّ الْمَحَبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

(یعنی اے محبت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہوتا، تو اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ ہر محبت اپنے محبوب کی بات و جان سے مانا کرتا ہے)

بہر حال اللہ و رسول کی محبت کیلئے ان کی اطاعت لازم ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے ع

عاشقی چیست بگو بندہٴ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت و رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿۱۹۰﴾

پس اس آیت اور مندرجہ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے۔ یہ بات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۃ نساء کی اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے..... حاصل اس کا یہ ہے کہ:

ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور سے محبت ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہنچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہنچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو نہ ہو سکے گی، اس لئے آخرت میں حضور ﷺ کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا، یہاں تک کہ سورۃ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ
وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝ (النساء: ع ۷)

اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی اور اُس کے رسول کی، پس وہ اللہ کے ان خاص مقرب بندوں کیساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا خاص انعام ہے یعنی انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین، اور یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ ﷺ کے اس محب صادق کو اور دوسرے تمام اہل محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو جی محبت ہے تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کرو گے، اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقف اور کم غوری کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے، اس لئے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حِلَّتْ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْتَفِعُ مِنْكَ عَدْلًا (اے اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، اور جن بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لئے نفع بخش ہو، اُن سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و غمخواری

رسول اللہ ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں، اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آپ رحمت ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اُن میں سے بعض گذشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں، لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنادی گئی ہے، اور اب

رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمائندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، لئٹی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا ”معاشرۃ“ کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں ”اخلاق“ کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں باہم کیسی محبت و مؤات اور کیسا تعلق ہونا چاہئے

(١٤٥) عَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ بَكْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحِيهِمْ وَتَوَازِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَقْلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عَضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالشَّهْرِ وَالْحُمَى - (رواه البخاري و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ : ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اُس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مودت، ایسی ہمدردی، اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ اُن کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو، تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں۔ اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں ”رَحْسًا بَيْنَهُمْ“ کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

١٤٦) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَلِ الْمُؤْمِنِينَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبَنَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ
بَعْضًا ثُمَّ فَبَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ - (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہئے کہ دو باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور ان کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی انہیں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور کہیں ان میں کوئی خللانہ ہو۔

باہم نفرت و عداوت و بغض و حسد اور بدگمانی و شامت و غیرہ کی ممانعت

مندرجہ بالا حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اس کے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہنچانے، اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکیدوں کیساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہ ہیں:

(۱۴۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا نَحْمُ وَالْكُنْ لِأَنَّ الْكُنْ أَلْكَدُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحْسَبُوا وَلَا تَجَسُّبُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھيرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا، یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اُس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اُس کے ہر کام میں اس کو بد نیتی ہی بد نیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی ان ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردِ عمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بدگمانی کو "الکذب الحدیث" فرمایا ہے، یعنی سب سے جھوٹی بات، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بُری بات نہیں سمجھا جاتا رسول اللہ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شاعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:

"حَسَنُ الْكُنِّ مِنْ حَسَنِ الْعِبَادَةِ" (رواه احمد و ابو داؤد عن ابی ہریرہ)

پھر بدگمانی کے بعد اور جن جن بُری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر رفعت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر اُس پر حسد کرنا، اور اُسکی خوش حالی کو غنڈی آنکھ نہ دیکھ سنا، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا حال بھی یہی ہے، کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اسکا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے ”اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو!“ اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بُری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

(۱۴۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْلُدُهُ وَلَا يُحَقِّرُهُ الْتَفْوَى هَهْنًا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ لَكَ مِرَارٍ - بِحَسَبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحَقِّرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ -

(رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو، تو اس کی مدد کرے) اور اُس کو بے مدد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حقیر نہ جانے، اور نہ اُس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر کہ اس کے دل میں تقویٰ ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ نے تمین ہار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اُس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو، اور اپنے دل کے تقویٰ کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو، اس لئے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برابر ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اُس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اُس کا خون، اس کا مال، اور اس کی آبرو (اس لئے ناحق اُس کا خون نہ گرائے، اس کا مال لینا، اور اس کی آبرو یزنی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں ہر مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو، تو یہ اس کی مدد کرے، لیکن یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اُس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اس د ظلم سے روکو، اُس کو ظلم سے روکنے ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

ایمان والے بندوں کو سنانے والوں اور رسوا کرنے والوں کو سخت تنبیہ

(۱۴۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ يَا

مَعْرِفَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفَضِّصِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤَلُّوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعِيرُوا هُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يُفَضِّضْهُ وَلَوْ لَفِي جَوْفِ رَحْلِهِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا، اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور دور رسوا ہو کر رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارے میں محتاط ہو جاتا ہے، خاص کر اللہ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، اُن کو ستانے، اُن کا دل دکھانے، ان کی کھجلی برائیوں کا ذکر کر کے اُن کو شرمندہ کرنے اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اُتری ہو، اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں تو آدمی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے، خاص کر اللہ کے اُن بندوں کے پیچھے پڑتا ہے جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبادت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، اُن کو لوگوں کی نظروں سے گراتا چاہتا ہے، اُن کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، اُن کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور اُن کے مقام کو گرانے اور اُن کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے مشغلہ کو ترک کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کئے جائیں گے اور ذلت و رسوائی کی مار اُن پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے تو اللہ اُن کو اُن کے گھر کی چہار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دردِ میلش اندر طعنہٗ پا کاں برد

حسد کے بارے میں خاص انتباہ

(۱۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم حسد کے

مرض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابی داؤد)

تَشْرِیْح..... تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپے رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچائے، اس کو بے آبرو کرے، پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا، تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہو گا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو ولادی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

(۱۵۱) عَنْ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَبَّ إِلَيْكُمْ ذَاءُ الْأَمَمِ فَلْيُكْمِ الْهَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَاوِلَةُ لَا أَلَوْلُ تَحْلِقُ الشُّعْرَ وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ۔ (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ..... حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۱)

تَشْرِیْح..... صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ علیہم و آلہم وسلم کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں ”وَرَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ“ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیے ہیں، اور وہ پُرانے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔ فَالْتَفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ فَاصْبَحُوا بَعْضُهُمْ أَخَوَانًا (النور ۱۰۳)

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کا یہ خاص انعام ہے، کہ اُس نے تم پر ایمان لانے والوں کے دل ملا دیے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لئے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے وَالْتَفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا اَلْتَفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (النور ۱۰۳)

بہر حال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے انکے دل ایک دوسرے کی محبت و الفت سے بھر دیئے گئے تھے، اور ان میں باہم بغض و حسد کا نام و نشان بھی نہ تھا، اسلئے اس حدیث ”ذَبَّ إِلَيْكُمْ ذَاءُ الْأَمَمِ فَلْيُكْمِ الْهَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ“ کا منشا یہی ہو سکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض و حسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی، رسول اللہ ﷺ پر وہ منکشف ہوئی، اور آپ نے امت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض و حسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سے امتوں کے دین و ایمان کو برباد کیا وہ میری امت کی طرف بھی چلی آرہی ہے، لہذا اللہ کے بندے ہو شیوا رہیں، اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

بغض اور کینہ کی نحوست

(۱۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْرَضُ أَعْمَالُ النَّاسِ فِي مِخْلٍ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ إِلَّا عَبْدًا هَيْبَةً وَهَنَ آخِذُهُ فَخَنَاءٌ لِقَالِ أَتْرَعُوكُنَا هَلْذَيْنِ حَتَّى يَفِينَا (رواه مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندہ مؤمن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، سوائے اُن دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں، پس اُن کے بارے میں حکم دیدیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آئیں اور دلوں کو صاف نہ کر لیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔۔۔ اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب و ترہیب میں اوسط طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے، کہ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے توبہ کی توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب لوٹا دیئے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کینہ ہوگا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کر لے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہوگا۔ رِنَا غَفِرْنَا وَلَا خَوَانَا الَّذِينَ سَفَّوْنَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝

شامت کی سزا

(۱۵۳) عَنْ وَالِئَةَ بْنِ الْأَسْفَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِأَخِيكَ لِعِبَادِهِ اللَّهِ وَبِعَتْلِكَ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت والیہ ابن الاسفع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اُس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو جہنم کر دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔۔۔۔۔ جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے، اس کو شامت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ

بسا اوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دیدیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کر اس پر خوش ہو نیا والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

نرم مزاجی اور درشت خوئی

رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور درشتی اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہاں پڑھئے۔

(۱۵۴) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى رَافِقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُبْغِضُ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُبْغِضُ عَلَى الْعَنْفِ وَمَا لَا يُبْغِضُ عَلَى مَا سِوَاهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اُس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اُس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں، اور بعض لوگ نرم اور مہربان، اور نا آشنا یا ناقصیت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا، گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کا برابری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اسکے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا، اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے، اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جقدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اور مصالح کے نقطہ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو، اور اسکے کام پورے کرے، اسکو چاہئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو، اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

(۱۵۵) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُخْرَمَ الرِّفْقُ يُخْرَمَ الْخَيْرَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی نرمی کی

صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔ (فتح ممد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو شخص اس سے محروم رہا، گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا، یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہذا جو شخص اس سے محروم رہا، وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہیگا۔

(۱۵۶) عَنْ عَائِشَةَ لَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُعْطِيَ حَقَّهُ مِنَ الرَّفْقِ أُعْطِيَ حَقَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَقَّهُ مِنَ الرَّفْقِ حُرِمَ حَقَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ - (رواه البعوی فی شرح السنۃ)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جسکو نرمی نصیب نہیں ہوئی، وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

(۱۵۷) عَنْ عَائِشَةَ لَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيدُ اللَّهُ بِأَهْلِ نَيْبٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يُعْزِرُهُمْ إِلَّا ضَرَّهُمْ - (رواه البيهقي فی شعب الایمان)

ترجمہ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کیلئے نرمی کی صفت عطا کرنے کا، مگر ان کو نفع پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ، اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے انکو۔ (شعب الایمان ص ۱۲۱)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کیلئے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کیلئے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں قریبوں کے لئے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرض کہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے مستقل عذاب ہوگی۔ اور اس کے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرض کہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا اور دوسروں

کیلئے بھی راحت اور سکون کا باعث ہوگا، پھر یہ نرمی باہم محبت و مودت پیدا کرے گی اور اکرام و احترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی، اور اس کے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرے گی، اور حسد و بد خواہی اور جنگ و جدل کے منخوس جذبات کو بھڑکائے گی۔ سختی اور نرمی کے یہ تو چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم روزمرہ اپنی زندگیوں میں اور اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) انکے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بے حد عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آنے والے ہیں، ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہوگا، لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان اور سمجھ سکتے ہیں، اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ کے ارشادات ہمارے لئے کافی ہیں۔

(۱۵۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَخْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَخْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ قَبِيلٍ قَبِيلٍ سَهْلٍ - (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کیلئے حرام ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو میں بتاتا ہوں، دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو، نرم خو ہو۔

تشریح:..... اس حدیث میں حسین، لیل، قریب، سہل یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں، اور نرم مزاجی کے مختلف، پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو، اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو، دور دور اور الگ الگ نہ رہتا ہو، اور لوگ بھی اس کی اس اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اُس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو، نرمی اور مہربانی سے کرتا ہو، ایسا شخص جتنی ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص اور رسول اللہ ﷺ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابہ کرامؓ کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں، اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں، اسلئے اس قسم کی بشارتوں کیساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ (اور بشارت کے موضوع کیلئے یہی مناسب) لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہئے، یہ ایک مسلمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

(۱۵۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَاظُ وَلَا

الْبُخَيْرِيُّ - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حارث بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سخت گوار درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (ابو داؤد)

تشریح:..... حدیثوں میں کبھی کبھی کسی بُرے عمل یا بُری عادت کی برائی بیان کرنے کے لئے لوگوں کو اس سے بچانے کیلئے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ ”اس عمل یا عادت، والا آدمی جنت میں نہ جاسکے گا“ اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت، شانِ ایمان کے خلاف اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے، اس لئے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہئے۔

حارث بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں، اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ سچے مؤمنین کی طرح اور اُن کے ساتھ جنت میں نہ جاسکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی

۱۶۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ بِالْمَدِينَةِ وَأَلَّا غَلَامٌ لَيْسَ مِثْلَ أَمْرِئِي مِمَّا يَسْتَحِبُّ صَاحِبِي أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِ مَا كَانَ لِي فِيهَا أَبَ لُفٍّ وَمَا كَانَ لِي لِمَ لَعَلْتُ هَذَا أَوْ أَلَا لَعَلْتُ هَذَا - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا، اور میں نو عمر لڑکا تھا، اسلئے میرا ہر کام رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا، (یعنی نوعمری کی وجہ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اُف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟

تشریح:..... رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انسؓ کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے اُن کو مستقلاً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے آخری روز حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نوعمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھے سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا، اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے، لیکن ہم امتیوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

حلم و بردباری یعنی غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا

رسول اللہ ﷺ نے امت کو جن اخلاق کی تاکید و اہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہے اُن میں سے ایک حلم و

بردباری بھی ہے۔

(۱۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصِنِي لَأَنْ لَا تَغْضَبَ لِرُدِّ ذَالِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبَ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا، کہ حضرت! مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ غصہ مت کیا کرو، اُس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی، کہ حضرت! مجھے اور وصیت فرمائیے، مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ (بخاری)

تشریح:..... معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے وصیت کی درخواست کرنا والے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے، اور اس وجہ سے اُن کیلئے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ ”غصہ نہ کیا کرو“ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بد انجام عادت ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا، تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا، گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا، بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، حد یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی کہنے لگتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ ”غصہ دین و ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلو اشبد کو خراب اور بالکل ہی کڑوا کر دیتا ہے۔“ (یہ حدیث کتاب الدینان میں درج کی جا چکی ہے)۔

لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہی غصہ ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہوا اور جس سے مغلوب ہو کر آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود اور شریعت کے احکام کا پابند نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کیلئے اور حق کی بنیاد پر ہو، اور اس میں حدود سے تجاوز نہ ہو، بلکہ بندہ اس میں حدود اللہ کا پورا پابند رہے، تو وہ کمال ایمان کی نشانی اور جلال خداوندی کا عکس ہے۔

غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے

(۱۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور در حقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: "اغْدَىٰ عَذُوْكَ نَفْسُكَ النَّفْسُ بَيْنَ حَبِيْبِكَ" (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاک کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے، اس لئے فرمایا گیا ہے کہ طاقت ور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حقدار وہی مردِ خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ، غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہونا تو بالکل فطری بات ہے، اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شانِ بندگی کے خلاف ہوں۔

غصہ کے وقت کیا کیا جائے

(۱۶۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ لَائِمٌ لِلْجَلِيسِ لَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَالْأَلْفُ ضَرْبُ جَعٍ۔
(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فہما اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے، علاوہ اس کے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اُن کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے، اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

(۱۶۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ لَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمُوا وَبَجَرُوا وَلَا تَغْمِزُوا وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔
(رواہ احمد والطرطوسی فی الکبیر)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو دین سکھاؤ، دین کی تعلیم دو، اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو، اور جب تم سے کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کر لے، یہ آخری بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔

(مسند احمد، ترمذی، بیہ لغوی)

تشریح..... غصہ کے بُرے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لئے یہ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کر لے، ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا، اور بات آگے نہ بڑھے گی۔

(۱۶۵) عَنْ عَطِيَّةِ بْنِ عُرْوَةَ السُّعَدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ مِنْ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خَلِقٌ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ لِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَرَضَّ. (رواه ابو داؤد)

تشریح..... عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حدود سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتش ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے، تو اس کو چاہئے کہ دودھ نوش کر لے۔ (ابن ماجہ)

تشریح..... غصہ کو فرو کرنے کی یہ خاص الخاص تدبیر ہے، اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آجائے، اور اسی وقت اُنھ کے انجمنی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کرایا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائیگا۔ اور بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ وضو کاپانی براہ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اس کا نسخہ

(۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةٍ غَيْظٍ يَكْظُمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى۔ (رواه احمد)

تشریح..... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اُس گھونٹ سے افضل ہو، جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (ابن ماجہ)

تشریح..... غصہ کو پی جانا جس طرح اردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے، بلکہ اردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔ جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لئے جنت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں اُن کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

وَالْمُكَاطِمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ

غصہ کو پی جانے والے اور دوسروں کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے

۱۶۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ مَعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَفَّمْ غَضَبًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَنْقُذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّى يُخَيَّرَهُ فِي آيِ الْحُورِ شَاءَ۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ۔ سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، جو شخص چلی جائے غصہ کو درنا خلیک اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کیلئے اپنے غصہ کو چلی جاتا ہے، اور جس پر اس کو غصہ ہے اُس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے، اور اس کو اختیار دیں گے کہ حور ان جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔ (بخاری، ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر ڈالے، پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے، کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حور ان جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لئے انتخاب کر لو۔

۱۶۸) عَنْ أَنَسِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَزَّنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّتْ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ رَغَبَ إِلَى اللَّهِ قَبِلَ اللَّهُ عِزَّهُ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بُری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اس کے عیوب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا، اور چلی جائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا، اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرمائے گا)۔

(شعب الایمان، بیہقی)

حکم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے

۱۶۹) عَنْ أَبِي عُبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَخْجَ عَبْدُ الْقَيْسِ إِنْ لَيْكَ لِحْصَلَتَيْنِ يُجِبُهُمَا اللَّهُ الْحِلْمُ وَالْإِتْقَانُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے سردار حج سے رسول اللہ

نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح..... قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشخ تھا، انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بلکہ اتر کے پہلے سارے سامان کو یکجا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے، اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس رویہ کو پسند فرمایا، اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں، ایک حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اتاقہ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کیساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

ہر کام متانت اور وقار کیساتھ انجام دینے کی فضیلت اور ترغیب

(۱۷۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِنَاءَةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ (بخاری، ترمذی)

تشریح..... یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اسکے برعکس جلد بازی ایک بُری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

(۱۷۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرِجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالْتَوَدُّهُ وَالْإِقْصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعٍ وَعَشْرِينَ جُزْءً مِنَ التَّوْبَةِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ..... عبد اللہ بن سرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔ (بخاری، ترمذی)

تشریح..... حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور انکی ترغیب دینا ہے۔ اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں، یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین

چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت، اور میانہ روی۔

میانہ روی

”میانہ روی“ ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے، یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گزاری کا ارادہ کیا، یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا، تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی، اور اس سے منع فرمادیا۔ اسی طرح بعض صحابہ نے جب اپنا پورا مال راہ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو آپ نے انکو اس سے روک دیا، اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی۔ بہر حال اقتصاد کا مطلب یہی اعتدال کی چال ہے۔ ”تآب الرضآق“ کی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ”الاقتصاد فی التفرغ والعسی“ کی ترغیب اور تاکید آپ پڑھ چکے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخ دستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے، اسی کو اس حدیث میں نبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔

خوش کلامی اور بد زبانی

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اس کے ایمانے صفت کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں، ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنے متبعین و متعلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے، اور بد زبانی اور سخت کلامی سے شدت کیساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ بڑی بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے، ذیل کی چند حدیثیں پڑھئے:

(۱۷۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودَ أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا أَلَسَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمْ اللَّهُ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكَ بِالرِّفْقِ وَرَبِّكَ وَالْعَفْ وَالْقُحْشِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے (نفس کی خباثت، اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) کہا ”السَامُ علیکم“ (جو دراصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (انکی اس گستاخی کو سُن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے، اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ (ایسی سختی نہیں!) زبان کو روکو، نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بد زبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... گویا آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند نہیں فرمایا، اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۷۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَغَانٍ وَلَا

لُعَانٍ وَلَا لَاحِشٍ وَلَا بَلَدِيٍّ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، اور نہ بد کو اور نہ گائی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوں نہ نکلے، کتاب الایمان میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں اختلاف و نزاع کے وقت گالیاں بکنے کو منافق کی نشانی بتلایا گیا ہے۔

(۱۷۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِتَّأَذَّنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَنَسُ ابْنِ الْعَشِيرَةِ أَوْ

بَنَسُ رَجُلٍ الْعَشِيرَةِ ثُمَّ قَالَ اتَّذَنُوا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ الْآنَ لَهُ الْقَوْلُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ

أَلَيْتَ لَهُ الْقَوْلُ وَلَئِنْ لَمْ تَلْتِ لَهُ مَا لَمْتُ قَالَ إِنْ حَرَّ النَّاسُ مَنْزِلَةَ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنْ وَدَعَهُ

أَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِابْتِقَاءِ لَحْشِهِ۔ (رواہ البخاری و مسلمہ و ابو داؤد و اللفظ له)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپ نے (ہم لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا بُرا فرزند ہے، یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا بُرا آدمی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دیدو، پھر جب وہ آگیا تو آپ نے اُس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی، اور پہلے آپ نے اسی کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلہ کا بہت بُرا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا، جسکی بدزبانی اور سخت کلامی کے ذریعے لوگ اسکو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور بُرا بھی ہو، جب بھی اُس سے

بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہئے، ورنہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی

ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں، اور جس شخص کا یہ حال ہو، وہ اللہ کے نزدیک

بہت برا آدمی ہے، اور قیامت کے دن اُس کا حال بہت برا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے آنے سے پہلے اُس کے بُرے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو

غالباً اس لئے دی تھی کہ وہ اسکے سامنے محتاط ہو کر بات کریں، اور کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو کسی شریر اور بُرے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہئے، اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی برائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذکروا الفاجر بما فیہ لکی یحذره الناس"۔ (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اُسکا لوگوں سے ذکر کرو، تاکہ اللہ کے بندے اسکے شر سے محفوظ رہ سکیں)۔ (کنز العمال)

(۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور بُرا ہونا معلوم ہو اُس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہئے، بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "فلما جلس تطلق النبی ﷺ فی وجهہ و انبسط الیہ"۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اُس آدمی سے گفتگو کی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں اُن سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہئے صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: "انا لنکشر فی وجوہ افراد وان قلونا للعلنیہ"۔ یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں، جن کے احوال اور اعمال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(۳) اس حدیث کی ابو داؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت بُرا آدمی ہے، اُس سے آپ نے ایسی بات اور گفتگو کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: "عائشۃ ان اللہ لا یحب الفاحش المتفحش" یعنی اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بد زبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا۔ مطلب یہ ہے کہ بد زبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے، لہذا میں کیسے اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔

(۱۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَلِمَةُ الْعَبِيَّةُ صَدَقَةٌ۔ (رواہ البخاری)
ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ، اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے، جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے)۔

(صحیح بخاری)

تشریح..... یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث کو بھی روایت کیا ہے، اور ایک جگہ تعلقاً صرف اتنا ہی نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے۔ کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

کم بولنا اور بری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور ہر قسم کی بری باتوں سے بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے، اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی امید نہ ہو، تو خاموش ہی رہا جائے۔ یہ تعلیم رسول اللہ ﷺ کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ نے نجات کا دار و مدار بتلایا ہے، اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نورانیت اور ان کا حسن و قبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات کتاب الاسواق میں گزر چکے ہیں، چند حدیثیں یہاں اور درج کی جاتی ہیں:

(۱۷۶) عَنْ مَعَاذٍ قَالَ لَفْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَخْبَرَنِي بِعَمَلٍ يَدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتُ عَنْ أَمْرِ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِّرُ عَلَيَّ مِنْ يَسْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ تَعَبُ اللَّهِ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتَقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ أَلَا أَذْكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاةُ الرَّجُلِ لَيْ جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا تَجَالِي جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتَّى يَبْلُغَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَذْكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذُرْوَةِ سَنَابِهِ لَفْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذُرْوَةُ سَنَابِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ أَلَا أَخْبَرُكَ بِمَكَارِهِ ذَلِكَ لَحْلِهِ لَفْتُ بَلَى يَا نَبِيَّ اللَّهِ لَا خَلَدَ بِلِسَانِهِ لَقَالَ كُفْتُ عَلَيْكَ هَذَا لَفْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَإِنَّا لَمَوْا خَلَدُونَ بِمَا تَكَلَّمُ بِهِ قَالَ لَكَ لَكَ أَتُكُّ يَا مَعَاذُ وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسَ لِي النَّارَ عَلَى وَجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَازِحِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ السَّيِّئِهِمْ. (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے ایسا عمل بتاد دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں، اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں، آپ نے فرمایا، تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے، لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے (اور توفیق دیدے)۔ لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو فکر اور اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو، اور بیت اللہ کاج کرو۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں خیر کے دروازے

بھی بتادوں؟ (گویا جو کچھ اب تک آپ نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے، اس کے بعد آپ نے فرمایا، کہ تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے اور دروازے بتلاؤں! غالباً اس سے آپ کی مراد نفل عبادات تھیں، چنانچہ حضرت معاذؓ کی طلب دیکھ کر آپ نے اُن سے فرمایا) روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) سپر اور ڈھال ہے، اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصے کی نماز (یعنی نماز تہجد کا بھی یہی حال ہے، اور ابواب خیر میں اس کا خاص الخاص مقام ہے) اس کے بعد آپ نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورہ سجدہ کی یہ آیت پڑھی :

﴿تَجْعَلُ لِي جُنُودَهُمْ عَنِ الْمُصَاجِعِ يَنْعُوْنَ رَبَّهُمْ حَوْلًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝
لَّا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾

پھر آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں معاملہ کا (یعنی دین کا) سر اور اس کا نمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتادوں؟ (معاذؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت ضرور بتادیں! آپ نے فرمایا، دین کا سر، یا سر اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتادوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور جس کے بغیر یہ سب چیزیں بیچ اور بے وزن ہیں، معاذؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے! پس آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا، اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں پیٹاک اور بے احتیاط نہ ہو، معاذؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت! ہم جو باتیں کرتے ہیں، کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ نے عرض فرمایا، اے معاذؓ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ ہے) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل، یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیابانہ باتیں ہی ڈالوائیں گی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث میں ارکان اسلام کے بعد آپ نے ابواب خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے، اور اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے۔ پھر آپ نے اسلام کو ”اس الامر“ یعنی دین کا سر بتلایا ہے، بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے، اور اس کے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ

۱ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور امید کی کیفیت کیساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری رولیں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ و خیرات کرتے ہیں) ان کے اعمال خیر کے صلہ میں دیئے جانے کیلئے جو نعمتیں اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پر وہ غیب میں رکھا گیا ہے اُس کو کوئی بھی نہیں جانتا، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔

بنائے تو اُس کی مثال ایک ایسے جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو، پھر نماز کو آپ نے دین کا ستون بتلایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں، پھر آپ نے جہاد کو دین کی بلند ترین چوٹی فرمایا، ظاہر ہے کہ دین کی بلندی اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے۔ حدیث کا سب سے آخری جز جس کی وجہ سے یہاں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا دار و مدار اس پر ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے، یعنی زبان کی بیباکیاں ان سب اعمالِ حسنہ کو بے وزن اور بے نور کر دیتی ہیں۔ پھر جب حضرت معاذ کو یہ سن کر تعجب ہوا، اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا باتوں پر بھی ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔ آج بھی ہر دیکھنے والا پچشم خود دیکھ سکتا ہے کہ جو بڑے بڑے گناہ و باکی طرح عام ہیں اور جن سے بچنے والے بہت ہی کم ہیں، ان کا تعلق زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے۔

ہرچہ بر آدمی برسد ز زبانا ہمہ از آفت زبانا برسد

(۱۷۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَفَعَهُ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ لَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانُ لَقَوْلِ رَبِّي اللَّهُ لَيْتَنَا لَبَانًا نَحْنُ بِلِسَانِ بَلَدٍ لَّانِ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اغْوَجَتْ اغْوَجْنَا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر، کیونکہ ہم تو تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں، تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے، اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی، تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتیں گے)۔ (جامع ترمذی)

..... اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہری اعضاء میں سے زیادہ تر زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہوگی۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص نوعیت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضاء بزبان حال یا بزبانِ قال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اسلئے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کر بیباکانہ نہ چل، ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضاءِ انسانی میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ "إِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام جسم اور اس کے سارے اعضاء کا صلاح و فساد اس کے قلب کے صلاح و فساد سے وابستہ ہے) لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان ہی اس

کی خاص ترجمان ہے، اس لئے دونوں کی نوعیت یہی ہے، کہ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد ور کجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

(۱۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ذمہ لے لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اُس کیلئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔ (صحیح بخاری)

تشریح۔۔۔۔۔۔ انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرم گاہ ہے، اس لئے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کریگا، اور شہوت نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا، میں اس کیلئے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے، کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف اُن لوگوں سے ہے جو صاحب ایمان اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

(۱۷۹) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ لَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَخَوْفُ مَا نَخَافُ عَلَىٰ لَانَ لَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَلَكَالَ هَذَا۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کے فرمایا کہ: سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔

(پاسبانہ ہا ق)

تشریح۔۔۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے، البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بیجا چلے، لہذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو۔ ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے سفیان بن عبد اللہ ثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو، اسلئے حضور ﷺ نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔

(رواه احمد والترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، مسند دارمی، شعب الایمان، صحیح بخاری)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا، وہ بلاکت کے غار میں گرنے سے بچ گیا، ابھی حضرت معاذؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی مہاکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔

(۱۸۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَفَلْتُ مَا النِّجَاءُ؟ لَقَالَ أَفَلَيْكَ عَلَيْكَ لِسَانُكَ وَلَسَعُكَ بَيْتُكَ وَهَلْكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ - (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا، کہ حضرت (مجھے بتا دیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا کُتر کیا ہے (اور نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے جانہ چلے) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہو، اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رویا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے، لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ نے یہ فرمائی کہ ”تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کو کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھوما کرو، بلکہ اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھا کرو، اور اللہ کی عبادت کیا کرو۔ تجربہ شاہد ہے کہ بے ضرورت باہر گھومنا سیکڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

(۱۸۲) عَنْ أَنَسٍ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَلَا أَذْكَكَ عَلَى عَصَلَتَيْنِ هُمَا أَحَقُّ عَلَى الْكُفْهِرِ وَ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ؟ قَالَ لَلَّتْ بَلَى لَّالَ طَوْلُ الصَّنَمِ وَحُسْنُ الْغُلْبِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْغُلْبَانِ بِمِثْلِهِمَا - (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ: میں تمہیں ایسی دو خصلتیں بتا دوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابو ذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! وہ دونوں خصلتیں ضرور بتلا دیجئے! آپ نے فرمایا، زیادہ خاموش رہنے کی عادت، اور حسن اخلاق، قسم اُس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔ (شعب الایمان بیہقی)

تشریح..... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے کہ بے ضرورت اور نامناسب اور نا پسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے، جس شخص کا یہ طرز عمل ہوگا قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی، کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کیلئے آپ کو ہدایات دینی تھیں، اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں

کوئی کمی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کے دیکھنے والے صحابہ کرامؓ نے آپ کا حال یہ بیان فرمایا کہ ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویلاً الصمت“ (رسول اللہؐ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”ولا یسألکم الا فیما یرجو ثوابہ“ (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی)۔

۱۸۳ (عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانٍ قَالَ آتَيْتُ أَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُهُ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِياً بِكَسَاءٍ أَسْوَدَ وَحَدَهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا هَذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيسِ السُّوءِ وَالْجَلِيسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ وَإِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِنَ السُّكُوتِ وَالسُّكُوتُ خَيْرٌ مِنْ إِمْلَاءِ الشَّرِّ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

عمران بن حطان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے ان کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کالی پینے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا، اے ابوذر! یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلک رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے!) انہوں نے جواب دیا، کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، کہ ”برے ساتھیوں کی ہمنشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بُری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ (شعب بن یونس)

ترجمہ..... اس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کے ساتھ آگئی ہے کہ خاموشی کی جو افضلیت ہے وہ بُری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے، ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے، اسی طرح یہ بات بھی صراحت سے آگئی ہے کہ بُرے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہمنشینی سے بہتر تنہائی ہے، لیکن صلحا کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

ف..... یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور ان کی استعدادیں اور ان کے رجحانات بہت مختلف ہیں، اور رسول اللہؐ کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف طبائع اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگان خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں ان سے ملنا جلنا ان کے لئے شاق اور گراں ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہؐ کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس حدیث میں فرمایا اور جس پر خود

① رواہ البیہقی فی شرح السنہ عن جابر بن سمرہ مشکوۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ۔

② رواہ الطبرانی فی الکبیر فی حدیث طویل عن الحسن بن علی بن صفیہ و شمائلہ (۱/۱۸۱)۔

اُن کا عمل تھا۔ اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں اُن کی بھی اصلاح اور درستی کیلئے اُن سے ملنا جلنا اور انکے بُرے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ احتیاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے اُن کی خدمت میں کرنا اُن کے لئے شاق نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے، اُن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آئیں گی) اسی طرز عمل کی رہنمائی فرمائی ہے، اور اکثر صحابہ کرامؓ جو حضرت ابوذرؓ کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے، ان کا طرز عمل وہی تھا۔ پس صحابہ کرامؓ کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں اور اسی طرح زمانہ مابعد کے اہل ایمان اور اہل صلاح کے مختلف طبقوں کے طرز عمل میں جو اس طرح کی رنگارنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے۔ جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں درحقیقت انہوں نے دین کی وسعت، تعلیم نبوی ﷺ کی جامعیت و کاملیت اور اللہ تعالیٰ کی نیکوئی و تشریحی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

ترک مالا یعنی

(۱۸۴) عَنْ عَلِيٍّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ لَال رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ
تَرْكُهُ مَا لَا يَنْبَغِيهِ۔

(رواہ مالک و احمد، ورواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ و الترمذی و البیہقی فی شعب الایمان عنہما)

ترجمہ: حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی اسلامیت کے حسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اُس کیلئے ضروری اور مفید نہ ہو اُس کو چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسینؓ سے مرسل روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ نے سنن میں مسند حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے جامع میں، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسل و مسند ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے۔)

تشریح:..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو و فضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمال ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت سے ہے، اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان ”ترک مالا یعنی“ ہے۔

چغل خوری

جن بُری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن کو عقین بجرم اور گناہ عظیم قرار دیا ہے، اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے، اُن میں سے ایک چغل خوری

بھی ہے۔ یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اُس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کر دے، اسی بُری عادت کا نام چغلخوری ہے۔ چونکہ آپس کے تعلقات کی درستی و خوشگوار اور حسن معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیم نبوی ﷺ کے مقاصد میں سے ہے (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادات سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اس لئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہر حال چغلخوری کو رسول اللہ نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اُس کے بُرے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

۱۸۵ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ۔

(رواہ البخاری و فی رواية مسلم نعام)

ترجمہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ چغلخور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ چغلخوری کی عادت اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جاسکے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

۱۸۶ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنْمٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حِبَارُ عِبَادِ اللَّهِ الَّذِينَ إِذَا رَأَوْا ذِكْرًا لِلَّهِ وَهَرَارًا عِبَادِ اللَّهِ الْمَسَاوِينَ بِالْتَّوْبَةِ الْمَقْبُولَةِ بَيْنَ الْأَحْبَةِ

الْبَاهِغُونَ الْبَرَاءَ الْعَفَتَ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ عبد الرحمن بن غنم بن غنم اور اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جنکو دیکھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانیا لے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں، اور جو اسکے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک و امین بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی معصیت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔ (مسند احمد، شعب الایمان، مستحقی)

تشریح..... اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ اُن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان اُن لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادیہ چغلخور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو، اور جو بندگانِ خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ وہ صحبت و محبت کیلئے ایسے بندگانِ خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو، اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو، اور اس کے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی بُرائی کے درپے رہتے ہوں،

اور اُن کو بدنام کرنا اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو اُن سے بچنے، اور اُن کے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

۱۸۷) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبْلَغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ خَيْرًا لِيَّ أَحَبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمٌ الصَّنِيرِ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے روگ ہو۔ (مشن ابی ۱۸۷)

ترشح..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے ذریعہ اُمت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جن سے اس کے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن موقعوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

غیبت اور بہتان

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چھٹکوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ اُن سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اسکے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری اور اذیت ہو، اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے، اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے، اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے، جس کے نتائج بعض حالتوں میں بڑے خطرناک اور دور رس نکلتے ہیں۔ اس لئے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی انتہائی شاعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کیلئے قرآن و حدیث میں ”اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے“ سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہر حال غیبت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھنونی بد اخلاقی اور گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے، بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی بُرائی اور بد اخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو، ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے، اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اس کے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں۔ اس تمہید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی یہ چند حدیثیں پڑھئے:

۱۸۸) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قُلُوبَهُمْ لَا تَقْبَلُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عُورَ آلِهِمْ لَأَنَّهُ مَنْ اتَّبَعَ عُورَ آلِهِمْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عُورَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عُورَتَهُ يَفْضَحْهُ لِي بَشِيرٍ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اور ایمان ابھی انکے دلوں میں نہیں اُترا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور انکے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور انکی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اُس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو اُس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اُس کے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں، اور ایمان نے اُن کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

۱۸۹ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بَنِي مَرْثٍ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَنْخِمِشُونَ وَجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ لَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جَبْرِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لَحْمَ النَّاسِ وَيَقْعُونَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو (ماء اعلیٰ کے اُس سفر میں) میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سُرُخ تاجانے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوح نوح کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور انکی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... نحاس کے اصل معنی تاجانے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اُس کو بھی نحاس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں ”نحاس کے ناخنوں کا جو ذکر کر رہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں پچے ہوئے سُرُخ تاجانے کے یا تاجانے کے سے تھے، اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوح نوح کے زخمی کر رہے تھے۔ ان کیلئے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اس لئے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے، یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔

۱۹۰ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغِيْبَةُ أَخَذُ مِنَ الزَّوْءِ، قَالَ زَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَتِفَ الْغِيْبَةِ أَخَذُ مِنَ الزَّوْءِ؟ قَالَ إِنْ الرَّجُلُ لَزَنِي فَيَتَوَبَّ فَيَتَوَبَّ اللَّهُ عَلَيْهِ (وَلَيْ فِي دَوَابَّةٍ فَيَتَوَبَّ فَيَغْفِرُ اللَّهُ لَهُ) وَإِنْ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يَغْفِرُ لَهُ حَتَّى يَغْفِرَ لَهُ صَاحِبُهُ۔

(رواه البيهقي في شعب الایمان)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بد بختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اسکی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اُس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔ (شب الیقین للہ)

(۱۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَذُّونَ مَا لِيُغَيَّبُ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قَبْلَ الْكُرْأَيْتِ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَكْلُونُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ لَقَدْ إِيغَيْبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ لَقَدْ بَهَيْتَهُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اُس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اُس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا کہ حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی بُرائی ذکر کروں جو واقعہ اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہوگی جبکہ وہ بُرائی اس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ بُرائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اُس کی نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہو (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے، اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

ف..... یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفدہ کے اند او کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی بُرائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے، یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہو نا اس پر موقوف ہو، تو پھر اس شخص یا گروہ کی بُرائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہو گا جو شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں توبہ کا رُوب ہو گا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر کرنا، تاکہ وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا، اور دین و شریعت کے محافظ علماء حق کا اہل باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دور رخنے پن کی ممانعت

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے

مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں، تو اُس کے ساتھ اپنے حسن تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی کو اُر دوز بان میں "دورخا" کہتے ہیں، اور عربی میں "ذوالوہنیں" کہا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طرز عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے، جس سے بچنے کی رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے، اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گناہ کی بات ہے، اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

(۱۹۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُونَ خَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَاوَجْهَيْنِ الْيَمْنَى يَأْتِي هَوْلَاءٍ بَوَجْهٍ وَهَوْلَاءٍ بَوَجْهٍ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم قیامت کے دن سب سے بُرے حال میں اُس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے، اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔ (صحیح بخاری، مسلم)

تشریح..... قیامت میں ایسا آدمی جس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا اُس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۱۹۳) عَنْ عُمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَاوَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دنیا میں جو شخص دو رخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں، اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح بُرے اعمال اور بُرے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں، وہ بھی مختلف قسم کے اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے، پس دور خا پن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں ہوں گی اللہ ﷻ واضح کر رہے کہ جانوروں میں سے بعضے سانپوں کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہمارے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بد اعمالیاں اور بد اخلاقیات حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وَنَحْنُ بِهِ حِينًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ" (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے

نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے۔ یہ بُری عادت (دو زخا پین) بھی اسی قبیل سے ہے، ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

صدق و امانت اور کذب و خیانت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں جن اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا اور جن کو لازمہ ایمان و اسلام قرار دیا ہے ان میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث ”تَبَّ الْإِيمَانُ“ میں گزر چکی ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا، نفاق کی خاص علامات میں سے ہے، اور جس شخص میں یہ برائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اس طرح یہ حدیث بھی وہاں ذکر کی جا چکی ہے کہ ”جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں“ اور یہ کہ ”مؤمن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا“۔

اب یہاں رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے براہ راست سچائی اور امانت داری پر قائم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

۱۹۴ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَالْبِرُّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْذُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدْقًا وَإِيمَانًا وَالْكَذِبُ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذِبًا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو، کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے، اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے، تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذات خود بھی نیک عبادت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنادیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا بذات خود بھی ایک خبیث خصلت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے

تک پہنچ کر پورا لعنتی بن جاتا ہے۔

(۱۹۵) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَرَادٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ لَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحِلُّكُمْ عَلَى هَذَا قَالَوا حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يُحِبَّهُ اللَّهُ وَرَسُولَهُ فَلْيَصْطِقْ حَبِيبَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُوَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا تَمَيَّنَ وَلْيُحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ عبد الرحمن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چروں اور جسموں پر) ملنے لگے، آپ نے فرمایا: ”تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے، اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کرتا ہے؟“ انھوں نے عرض کیا کہ: ”اللہ اور اس کے رسول کی محبت“ ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنیٰ خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

(شعب الایمان تہذیبی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جرات اور ایک طرح کا فحاش ہے۔

(۱۹۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِصْمِنَا لِي مِمَّا مِّنَ أَنْفُسِكُمْ أَصْمِنَ لَكُمْ الْجَنَّةَ أَضِلُّوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ وَأَوَلُّوْا إِذَا وَعَدْتُمْ وَأَذُوْا إِذَا تَعَيَّنْتُمْ وَاحْفَظُوا لِرُؤُوسِكُمْ وَخُفُّوْا أَنْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اسکو پورا کرو، جب کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے انکی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روک لو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کیلئے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ

بنیادی اخلاق (صدق و امانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنالیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے، اور اس کے لئے اللہ اور رسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

تجارت میں صدق و امانت

(۱۶۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَاجِرُ الصُّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ۔ (رواه الترمذی والدارقطنی)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء، صدیقین اور شہداء کیساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابی حنیفہ)

تشریح۔۔۔۔۔ اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ اور رسول کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی کے ذریعے حضرات انبیاء اور صدیقین و شہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہے۔

(۱۶۸) عَنْ عَبْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِمَجَارِئِ الْأَمْنِ الْفَقِي وَبُرْءِ صَدَقٍ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی)

ترجمہ۔ عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خدا ترس اور خدا پرست) تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ اور حسن سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں

(۱۶۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْنَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْعِلَالِ مِثْلَهَا إِلَّا الْبَغْيَانَةَ وَالْكَذِبَ۔ (رواه احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (شعب الایمان، شعب الایمان، شعب الایمان)

تشریح۔۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ مؤمن اگر واقعی مؤمن ہو، تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی، دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، پس اگر کسی میں یہ بری عادتیں موجود ہوں، تو اسے سمجھنا چاہئے

کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے، اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے، تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک رکھنا چاہئے۔

جسوس بن سنان اور سہل بن عبد

(۲۰۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا غَدِبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِثْلَ مَنْ لَقِيَ مَا جَاءَ بِهِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ابن سنان)۔
تشریح..... جس طرح اسی مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں، اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جتنی روحانیت انکی مادیت پر غالب آ جاتی ہے۔

بڑی سخت خیانت

(۲۰۱) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أُسَيْدٍ الْحَضْرَمِيِّ لَإِنَّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُفْرُتْ خِيَانَةً أَنْ تُعَدِّتَ أَخَاكَ حَدِيثًا وَهُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

سُفْيَانَ بن اسید حضرمی سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے: یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی جھوٹی بات بیان کرو، درحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔ (ابن سنان)۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہر حال گناہ اور بہت سنگین گناہ لیکن بعض خاص صورتوں میں اسکی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے، ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اسکو اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو، اور اسکو دھوکا دو۔

جسوس بن سنان

(۲۰۲) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ لَابِكٍ لَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوَةُ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ لَمْ يَلْمَأْ لَقَائَ عِدَلَتْ خِدَاةُ الزُّورِ بِالْأَخْرَافِ بِأَنَّكَ تَمَاتُ لَمْ لَرَأً لَا جَنَابَ الرَّجَسِ مِنَ الْأَوَّلَانِ وَاجْتَبِئُوا الْوَلَّوْا خِلَافَهُ عَنِ مُشْرِئِينَ بِهِ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی، جب آپ اس سے

فارغ ہوئے تو ایک دم کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کہ: جھوٹی گواہی اشرک باللہ کے برابر کر دی گئی، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور قرآن مجید (سورہ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ - خُفَاءَ لِلْهِ غِيْرُ مُشْرِ كَيْفَ يَدُ (بتوں کی، یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)۔ (سنن ابی داؤد، ابن ماجہ)

تشریح..... ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضاہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دی جائے، اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی اللہ کے بندے کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورہ حج کی مذکورہ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کیساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور دونوں سے بچنے کی تاکید کیلئے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اس طرز بیان کا حوالہ دیکر رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے، اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دن صحابہؓ سے ارشاد فرمایا، اور تین دفعہ ارشاد فرمایا: ”کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا“ راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ سہارا لگائے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور بار بار آپ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش اب آپ خاموش ہو جاتے یعنی اس وقت آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے، اس لئے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ خاموش ہو جائیں، اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

جھوٹی قسم

(۲۰۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَالِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ مَنِيْرٍ وَهُوَ فِيْهَا لِاجْرٍ يَنْقُطِعُ بِهَا مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لِّقِيَّ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال مار لے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہو سکے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۲۰۴ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ انْقَطَعَ حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِحَبْنِهِ لَفْظٌ أَوْ حَبُّ اللَّهِ لَهُ النَّارُ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ لَقَالُ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ حَبْنًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ لَحْيَتَيْنِ مِنْ أَرَاكِ - (رواه مسلم)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور پر مار لیا، تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے 'حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ) اگرچہ وہ کوئی معمولی سی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی سی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کر لی، تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لئے واجب اور جنت اس کے لئے حرام ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں اگرچہ جنگی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔

تشریح..... یعنی اگر بالکل معمولی اور بالکل بے حیثیت قسم کی کوئی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر کوئی حاصل کرے گا تو وہ بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

۲۰۵ عَنْ الْأَنْصَبِيِّ بْنِ قَبِيصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْقُطُ أَحَدٌ مَالًا بِحَبْنٍ إِلَّا لِقَى اللَّهَ وَهُوَ أَجْلَمُ - (رواه ابو داؤد)

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مار لے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا۔ (ابن ماجہ)

تشریح..... ان تینوں حدیثوں میں اس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں جھوٹی قسم کھا کر دوسرے فریق کا مال مار لے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہوگی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا۔ نعوذ باللہ من غضبه و عقابه)۔ اور حضرت ابو امامہؓ والی دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے اور دوزخ کا اس کے لئے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے۔ اور اشعث بن قیس کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن کوڑھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوگا۔ اللہ کی پناہ! کتنی سخت ہیں تینوں سزائیں اور ظاہر ہے کہ ان میں باہم کوئی منافات اور تضادات نہیں ہے لہذا اگر یہ شخص اس گناہ عظیم سے توبہ اور تلافی کر کے اس دنیا سے نہیں گیا ہے، تو پھر ان حدیثوں کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو یہ سب کچھ پیش آئے گا، اور وہ سارے عذاب چکھے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حاکم کی عدالت میں خدا کی قسم کھا کر، اور خدا کو گویا اپنا گواہ قرار دیکر جھوٹ بولنا، اور کسی بندے کا مال مارنے کے لئے یا اس کو بے آبرو کرنے کے لئے خدا کے پاک نام کو استعمال کرنا، ہے بھی ایسا بڑا گناہ کہ اس کی سزا جتنی بھی سخت دی جائے عین حکمت ہے۔

۲۰۶ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَلْفَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُخَيِّرُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابُ أَلِيمٍ قَالَ أَبُو ذَرٍّ عَابُوا وَغَسَبُوا مِنْهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ

النُسْبُ وَالْمَنَاقِبُ وَالْمَنْفَقُ بِإِلْحَافِ الْكَاذِبِ. (رواد مسلمہ)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے بمکلام ہو گا نہ ان پر عنایت کی نظر کرے گا، اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے انکو پاک کرے گا، اور انکے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا: یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹنے میں پڑے، حضور ﷺ! یہ تین کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسا کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ۔ جس طرح حاکم اور بیچ کے سامنے کسی معاملے میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے اسی طرح سودے کو بیچنے کے لئے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کے اسکو یقین دلانا بھی اسم الہی کا نہایت بے محل استعمال اور بڑی دینی حرکت ہے، اسلئے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا، اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بمکلامی اور اسکی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی بعض خفی قسمیں

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا، لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اُن سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے:

۲۰۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَخَعْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامِعًا لِي نَيْحًا فَقَالَتْ مَا تَعَالَى أَعْطَيْكَ لَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتَ أَنْ تَعْطِيَهُ؟ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أَعْطِيَهُ تَمَرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا أَلَيْكَ لَوْ لَمْ تَعْطِهِ فَمَا مَحَبَّتُكَ عَلَيْهِ عَذَابٌ. (رواہ ابو داؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا بڑھ کے آ، میں تجھے کچھ دوں گی، رسول اللہ ﷺ نے میری ماں سے فرمایا: تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اسکو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یاد رکھو اگر اس کہنے کے بعد اس بچے کو کوئی چیز بھی نہ دیتیں، تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (مسند ابی یوسف، شعب الایمان صحیح)

ترجمہ۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا اصل منشاء یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے کے لئے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہیں چاہئے علاوہ ازیں اسکی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ انکا مقصد صرف بہلاوای ہو، پھر بھی بچے اُن

سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے، اور جھوٹ بولنے میں وہ کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

۲۰۸ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَلَ لِمَنْ يُحَدِّثُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَبَلَ لَهُ - (رواه احمد والترمذی و ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ: بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا حیدر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے اپنے بیان میں جھوٹ بولے، اس کا افسوس! اس کا پافسوس!

(مسند امام جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، دارمی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ صرف لطف صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنا بھی بری بات اور بری عادت ہے، اگرچہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن اولاً تو خود بولنے والے کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت ہونی چاہئے اس میں بھی کمی آتی ہے، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

۲۰۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ كَلْبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ - (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجے کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتماد نہیں رہتا۔ بہر حال مؤمن کو چاہئے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

خیانت کی بعض خفی قسمیں

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے انکے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے، اس سلسلے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے:

۲۱۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِي الْهَيْمِ بْنِ التَّيْهَانِ إِلَّا الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنًا - (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ابو الہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی

جانی ہے۔ (پانچ تہائی)

تشۃ..... ابوالہیثم بن اعیان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ چاہا تھا، اس موقع پر آپ نے اُن سے یہ ارشاد فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اسے چاہئے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو اعتماد اور بھروسے کے قابل سمجھ کر اس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اسکے سپرد کی ہے، لہذا اسے چاہئے کہ حق امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اسکی بات کو راز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجے کی خیانت کا مجرم ہوگا۔

(۲۱۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْعَدِيَّةَ لَمْ تَلَفْ لَهُ أَمَانَةً۔
(رواہ النترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (پانچ تہائی، سنن بیہقی)

تشۃ..... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے اسکو راز رکھنا، لیکن اسکے کسی طریقے سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے، تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے اور امانت کی طرح تم کو اسکی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا، تو تمہاری طرف سے یہ امانت میں خیانت ہوگی، اور تمہیں خدا کے سامنے اسکا جواب دینا ہوگا۔ لیکن ایک دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ: اگر کسی بندے کے ناحق قتل یا اسکی آبروریزی یا اسکو مالی نقصان پہنچانے کی سازش تمہارے علم میں آئے تو پھر ہرگز اسکو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو۔ وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے:

(۲۱۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا لَثَلَّةَ مَجَالِسٍ سَلَفَكَ ذِمَّ حَرَامٌ أَوْ فُرْجٌ حَرَامٌ أَوْ إِيصَافُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ۔
(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں رازداری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اہل مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خون ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت و عفت لوٹنے کے مشورے سے ہو، تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔ (سنن بیہقی)

تشۃ..... ان باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ منشاء یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کیلئے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانتداری اور امانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ

کو ناکام بنانے کیلئے جن کو اس سے باخبر کرنا ضروری سمجھو، انکو ضرور باخبر کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اپنی طرف سے چار کتبہ دینا اجنبات نہیں

(۲۱۳) عَنْ أُمِّ كَلثُومَ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكُذَّابُ الَّذِي يَصْلُحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيُنْجِي خَيْرًا. (رواه البخاری ومسلم)

ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے اور (اچھا تاثر ڈالنے والی) اچھی باتیں کرے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۷۶)

ترجمہ..... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو مخصوص یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے، اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، اور پھر اسکے نتیجے میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، کبھی کبھی تو خون خرابہ اور قتل و غارت اور آبروریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعذیب کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسرِ جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کے باتیں پہنچائی جائیں جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں بھی پہنچائے جو واقعے میں اس فریق نے نہ کہی ہوں، اس مخلص بندے کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا، جو معصیت اور گناہ کبیرہ ہے، بس یہی اس حدیث کا منشاء ہے۔ اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کا: ”دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔“

ایضاً، وعدہ اور وعدہ خلافی

وعدہ کر کے پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا کہ: جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے میں اس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور ان میں آپ نے ایفاء وعدہ کو بھی گنایا۔

اور ”کتاب الایمان“ میں ”شعب الایمان“ کے حوالے سے حضرت انسؓ کی دو حدیث گزر چکی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے، کہ: جو شخص اپنے کئے عہد کا پابند نہیں، اسکا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ اب چند حدیثیں اس سلسلہ کی یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں:

(۲۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ الْمُنَافِقُ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُتِمِّنَ خَانَ۔ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب اسکو کسی چیز کا امین بنادیا جائے، تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ”کتاب الایمان“ میں بھی گزر چکی ہے، اور وہاں پوری تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ ان باتوں کے منافق کی نشانی ہونے کا کیا مطلب ہے۔ وہاں کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت اور وعدہ خلافی دراصل یہ منافقوں کے اخلاق ہیں، اور جس شخص میں یہ بری عادتیں موجود ہوں وہ خواہ عقیدہ کا منافق نہ ہو لیکن عمل اور سیرت میں منافق ہی ہے۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ”وَأَنَّهُ صَلَّى وَصَامَ وَأَنَّهُ مُسْلِمٌ“ یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو پھر بھی ان بد اخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔

بہر حال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتلایا گیا ہے۔

(۲۱۵) عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعَدَّةُ ذَيْنَ۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہذا اس کو ادا کرنا چاہئے)۔ (مشکوٰۃ، بیاضی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے، اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے، لیکن اگر بالفرض کسی بُرے کام میں ساتھ دینے کا، یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے، یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے، تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا، اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا، بلکہ اتباعِ شریعت کا ثواب ہوگا۔

(۲۱۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الْحَمَسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُبْعَثَ وَبَقِيَتْ

لَهُ بَقِيَّةٌ لَوْ عَدَّ تَهُ أَنْ إِلَهَهُ بِهَا فِي مَكَابِهِ لَنَسِيْتُ لَدَا كُرْتُ بَعْدَ قَلَابٍ لَإِذَا هُوَ فِي مَكَابِهِ لَقَالَ
لَقَدْ حَقَّقْتُ عَلَى أَنَا هَهُنَا مِنْذُ لَكَ أَنْتَظِرُكَ۔ (رواد ابو داؤد)

ترجمہ۔ عبد اللہ بن ابی الحساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصہ تو میں نے وہیں دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا، تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں پھر میں بھول گیا اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہنچا) تو دیکھا، کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا، کہ تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا، اور بڑی زحمت دی، میں تمہارے انتظار میں تین دن سے بیٹھ رہا ہوں۔ (مشن ابی داؤد)

ترجمہ۔ گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ اپنے وعدہ کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رو کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے، واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے، (جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی فطرت میں جو "صفت تنہیہ" ودیعت فرمایا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا۔

(۲۱۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا لَمْ يَأْتِ أَخَذَهُمَا إِلَى الْوَلَبِ الصَّلَاةِ وَذَهَبَ إِلَيْهِ جَاءَ يُصَلِّي لَكَ إِنَّمَا عَلَيْهِ۔ (رواد دؤد)

ترجمہ۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آکر ملنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک اُن میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پر مقرر جگہ پر پہنچ گیا، اور نہ آنے والے کا انتظار کر تاربا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا) اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کیلئے مقررہ جگہ سے چلا گیا، تو اس کو کوئی گناہ نہ ہو گا۔ (ابن ابی داؤد)

ترجمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، اور کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کر تاربا، تو اُس نے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت آجائے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے، یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے، تو اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا، اور یہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

(۲۱۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ بَيْنِهِ أَنْ يُفِيَّ وَلَمْ يَفِئْ لِلْمُعَادِ لَكَ إِنَّمَا عَلَيْهِ۔ (رواد ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا، اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا، لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(مشن ابی داؤد)

تشخیص..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا ہے اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عند اللہ گناہگار نہ ہوگا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا، تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع و خاساری اور غرور و تکبر

تواضع یعنی فروتنی اور خاساری اُن خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ تائید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن و کمال یہی ہے کہ اُس کے نفل سے بندگی اور نیاز مندی ظاہر ہو، اور تواضع اور خاساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے، جیسے کہ اُس کے بالکل برعکس تکبر کبریائی کا مظہر ہے، اور اسی لئے وہ شان بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کیلئے زیبا ہے۔

(۲۱۹) عَنْ عِيَاضِ بْنِ جَمْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَمْلِكَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرُ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت عیاض بن جمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، اور کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (المسلمین: ۱۰۰)

(۲۲۰) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ لَهُوَ لِي نَفْسِي صَغِيرٌ وَلِي أَعْيُنُ النَّاسِ عَظِيمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ لَهُوَ لِي أَعْيُنُ النَّاسِ صَغِيرٌ وَلِي نَفْسِي كَبِيرٌ حَتَّى لَهُوَ أَهْوَى عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خنزِيرٍ۔ (رواہ البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، جس نے اللہ کیلئے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے) خاساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگانِ خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا۔ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا، اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا، لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔ (شعب الایمان: ۱۰۰)

(۲۲۱) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبِرْكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلِّ

ضَعِيفٌ مُتَضَعِّفٌ لَوْ اَلْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَا بَرَّةَ اِلَّا اَخْبِرْكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلِّ عَقْلٍ جَوَاطِ مُسْتَكْبِرٍ۔
(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ اگر وہ شخص جو معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑا اور سخت نہ ہو، بلکہ عاجزوں کمزوروں کا سانس کا روٹیہ ہو، اور اسلئے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے، تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے کھائے۔ اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بد خو اور مغرور شخص۔ (بخاری، مسلم)

ترشح:..... اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف، متضعف" بتلائی گئی ہے، اس سے مراد وہ ضعف و کمزوری نہیں ہے جو قوت و طاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے، کیونکہ وہ ضعف و کمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو سراحۃ فرمایا گیا ہے کہ۔ **الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَ احَبُّ اِلَى اللّٰهِ نَعَالِي مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ**۔ (صحیح مسلم) (طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے)۔ بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں ضعف و متضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح دوسروں سے دب جائے، اور اس لئے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور بالیا کریں۔ اسی لئے اس حدیث میں ضعف و متضعف کے مقابلہ میں عاقل، جواط، متکبر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے، اور غرور، استکبار اور اکھڑ پن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعیف، متضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے۔ بظاہر اس سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لئے اپنی خودی کو مٹا کر اس کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا روٹیہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھالے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا، اور اس کی بات کو پورا کر دے کھائے گا، یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص وعدہ کرے گا، تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

(۲۲۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَالٌ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيهِ غُلْبَةٌ مِّمْقَالٌ ذَرُّوْهُ مِنْ كِبَرٍ۔
(رواہ مسلم و البخاری)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم، بخاری)

ترشح:..... کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اُس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات

اور عزت و ذلت ہے، جس کے لئے کبھی فنا نہیں، اور اُس کے علاوہ سب کے لئے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَهُ الْكِبَرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (جاثیہ: ۴۰: ۳۷)

اور اسی کیلئے کبریائی اور بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا۔

پس اب جو بر خود غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لئے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے، اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا ہے، کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جاسکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بد عملی یا بد اخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جاسکے گا، ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بد عملی یا بد اخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی اور دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔

یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جاسکیں گے، بلکہ ان کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لئے اس حدیث کا مطلب بھی اس اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہئے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈالنے والی خصلت ہے، یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جاسکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی، اور جب وہاں آگ میں تپا کے اُس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا، اور غرور کی گندگی سے اس کو پاک و صاف کر دیا جائے گا تو اگر وہ صاحبِ ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جاسکے گا۔

(۲۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يَكْلِمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ۔ وَلَهُنَّ رَوَايَةٌ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، خِيَتَ زَانٍ وَمَلَكَ كَذَابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انکی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا، اور اُن کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے، ایک بوزھازلی، دوسرا جھوٹا فرمانروا، اور تیسرا نادار و غریب متکبر۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بعض معصمتیں بذاتِ خود بھی سنگین اور گناہ کبیرہ ہوتی ہیں، لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر ان کا صدور ہو، تو اُن کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، مثلاً چوری بذاتِ خود بڑی معصیت ہے، لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو، جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو، یا سرکاری سپاہی و چوکیدار ہو، تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا، اور اُس کو قابلِ معافی نہیں سمجھا

جائے گا۔ اس حدیث میں اسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعانہ فرمایا گیا ہے کہ ان بد بختوں بد نصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم کلام نہ ہوگا، اور ان کا تزکیہ بھی نہ فرمائے گا، اور آخرت میں یہ مجرم رب کریم کی نظر کرم سے بھی قطعی محروم رہیں گے۔ ایک بوزحازناکار، دوسرا جھوٹا فرمانروا، تیسرا ناداری کی حالت میں تکبر کرنے والا۔ اور یہ اس لئے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوا، تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابل درگزر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے، لیکن اگر کوئی بوزحازناکار ہو جائے تو یہ حرکت کرے، تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے، اسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لئے جھوٹ بول جائے، تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابل معافی ہو سکتا ہے، لیکن ایک صاحب اقتدار حکمران اگر جھوٹ بولتا ہے، تو یہ اس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے۔ ایسے ہی کوئی دہشت منداگر تکبر کرے، تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں۔

”چو بدولت برسی مست نہ گردی مردی“

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اس کی انتہائی دنائت اور کمینہ پن ہے۔ الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہمت کلامی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے، تزکیہ نہ کئے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کئے جائیں گے، اور صرف عقیدہ یا بعض اعمال صالحہ کی بنیاد پر ان کو مؤمنین صالحین کی صف میں شمار نہ کیا جائے گا، بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی، واللہ اعلم

شرم و حیا

شرم و حیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے بُرے کاموں اور بُری باتوں سے روکتا، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں کیسے آمادہ کرتا ہے، الغرض شرم و حیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش و منکرات سے اس کی محافظ ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے، اور اس وصف کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ترقی دینے کی کوشش کیجئے۔

(۲۲۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ مِلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقُ

الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔ (رواہ مالک و مسلا و رواہ ابن ماجہ و البیہقی فی شعب الایمان عن انس و ابن عباس)

ترجمہ۔ زید بن ملحہ سے روایت ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے، اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔ (ابن ماجہ، شعب الایمان، صفحہ ۱۸۲)

شرعیہ..... مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور انسانی زندگی میں اُسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحمدلی اور غفودور گزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ مسیحی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحمدلی اور غفودور گزر ہی گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے) اسی طرح اسلام، یعنی حضرت محمد، رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیا پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہمارے عرف اور محاورہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے بچے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے لذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیا کا تعلق صرف اپنے ابناء جنس ہی سے نہیں ہے، بلکہ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پارہا ہے، اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے، اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ کی، اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا، اور سب محسنوں کا محسن ہے، لہذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم و حیا اُسی کی ہونی چاہئے، اور اس حیا کا تقاضا یہ ہو گا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اُس کے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اُس سے خود انقباض اور لذیت محسوس کرے اور اس سے باز رہے، اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں زید بن طلحہؒ تابعی سے سرسار روایت کیا ہے) (یعنی اُن صحابی کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث زید بن طلحہؒ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(۲۶۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعْطُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِإِنِّ الْحَيَاءِ مِنَ الْإِيمَانِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر انصار میں سے ایک شخص پر ہوا، اور وہ اُس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارہ میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ اس کو اسکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حیا تو ایمان کا جز یا ایمان کا پھل ہے۔ (صحیح ابی داؤد، سنن)

تشریح..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے معاملات میں نرم ہوں گے، سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں گے، اور بہت سے موقعوں پر اسی شرم و حیا کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے، جیسا کہ اہل حیا کا عموماً حال ہوتا ہے، اور ان کے کوئی بھائی تھے، جو ان کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن یہ بھائی ان صاحب حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اس قدر شرم و حیا کیوں کرتے ہو، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا ان دونوں بھائیوں پر گذر ہوا، اور آپ نے ان کی باتیں سن کر ملامت و نصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پہ چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو برا مہارک حال ہے، شرم و حیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے اگر اس کی وجہ سے بالفرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں، تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

(۲۲۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَلَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ۔ (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے، اور بے حیائی وہ بے شرمی بدکاری میں سے ہے، اور بدی دوزخ میں سے جانیوالی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو ”الحیاء من الایمان“ فرمایا گیا ہے، بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم و حیا شجر ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے، صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں (جو کتاب الایمان میں گذر چکی ہے) فرمایا گیا ہے ”والحیاء شعبة من الایمان“ (اور حیا ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) بہر حال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے، اور یہ سب اُسی کی تعبیریں ہیں۔ اور اُسی کی ایک تعبیر وہ بھی ہے، جو اس سے بعد والی حدیث میں آ رہی ہے۔

(۲۲۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ لَفِرَاءٌ جَمِيعًا لَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْأُخْرُ۔ (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیا میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا، الغرض کسی شخص یا جماعت میں حیا اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہو گا۔

(۲۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حیا صرف خیر ہی کو لاتی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم و حیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے، اور آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیانہ نقطہ نظر سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی اگر ایمانی اور اسلامی وسیع نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بجائے نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں بعض لوگوں کو ایک اور بھی شبہ ہوتا ہے اور وہ شبہ یہ کہ شرم و حیا کی زیادتی بعض اوقات دینی فرائض ادا کرنے سے بھی رکاوٹ بن جاتی ہے، مثلاً جس آدمی میں شرم و حیا کا زیادہ زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے، اور اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اعلیٰ دینی کاموں میں بھی ڈھیلا اور کمزور ہوتا ہے۔ لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے، انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ دراصل حیا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے، لوگ ناواقفی سے اس میں اور حیا میں فرق نہیں کر پاتے۔

(۲۲۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا أَفْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ

النَّبِيِّ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيَ لِمَا ضَعَّ مَا ضَعَّتْ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پیلا ہے اس میں ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ ”جب تم میں شرم و حیا نہ ہو، تو پھر جو چاہو کرو۔“ (صحیح بخاری)

تشریح..... انبیائے سابقین کی پوری تعلیمات اگرچہ محفوظ نہیں رہیں، لیکن ان کی کچھ سچی پکی باتیں ضرب المثل کی طرح ایسی مقبول عام اور مشہور عام ہو گئیں کہ سیکڑوں ہزاروں برس گزرنے پر بھی وہ محفوظ اور زبان زد خلاق رہیں، انہیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ تک بطور ضرب المثل لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی ”إِذَا لَمْ تَسْتَحْيَ فَاَضَعْ مَا ضَعَّتْ“ جس کو فارسی میں کہا جاتا ہے ”بے حیا باش و ہرچہ خوانی کن۔“ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ حکیمانہ اور ناصحانہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

(۲۳۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحْيُوا مِنَ اللَّهِ حَقَّ

الْحَيَاءِ لَنَلَّا إِنَّا نَسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ لَا لَيْسَ ذَالِكُ وَلَكِنَّ الْإِسْتِحْيَاءَ

مِنْ اللَّهِ حَقِّي الْحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَحَى الْبَطْنُ وَمَا حَوَى وَ تَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبُلَى
وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا وَالزَّوْجَ الْآخِرَةَ عَلَى الْأُولَى لَعَنَّ لَعْلَ ذَلِكَ لَقَدْ اسْتَحْيَى
مِنْ اللَّهِ حَقِّي الْحَيَاءِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اُس سے حیا کرنی چاہئے۔ مخاطبین نے عرض کیا، الحمد للہ! ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ نہیں (یعنی حیا کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اُس میں بھرا ہے اُس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہونی ہے اس کو یاد کرو اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے، دودنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا، اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لئے پسند اور اختیار کرے گا، پس جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔ (بخاری و ترمذی)

ترجمہ۔۔۔۔۔ اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حیا کے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا، ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں، بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے، نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق وہی بندہ ادا کر سکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اسکے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو، اور دنیا کو ٹھکرانے کے آخرت کو انہوں نے اپنا حیح نظر بنالیا ہو، اور موت، اور موت کے بعد کی منزلیں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں، اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کسی ہی باتیں بناتا ہو، اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اُس نے اللہ سے حیا کا حق ادا نہیں کیا۔

قُبْحُ عَمَلٍ وَاسْتِغْنَاءُ عَنِ حِرْصٍ وَطَمَعٍ

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے، بلاشبہ اُس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے:

(۲۳۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرَزِقَ حَقًّا وَنَقَعَهُ اللَّهُ بِمَا آتَاهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کامیاب اور باہر اد ہو اوہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی، اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو اس قدر قلیل

روزی پر قانع بھی بناوید۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو، اور ساتھ ہی اس دنیا میں گزارے کا کچھ ضروری سامان بھی، اور پھر اللہ تعالیٰ اسکے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرمادے، تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیسا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرت بن جاتی ہے

ایں کیسائے ہستی قاروں کند گدرا

آدمی کے پاس اگر دولت کے ذخیر ہوں، لیکن اس میں اور زیادہ کے لئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، اور محل میں سریدہ سی کے پھیر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر و افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی۔ اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

(۲۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعُرُوضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى عَنِ النَّفْسِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (صحیح بخاری)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہی حقیقت رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی۔

(۲۳۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ تَقُولُ كَثْرَةُ الْمَالِ الْغِنَى لَكُنْتَ نَعَمَ، قَالَ تَقُولُ لِلْمَالِ الْفَقْرُ؟ لَكُنْتَ نَعَمَ، قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ الْغِنَى فِي الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِي الْقَلْبِ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تو گمراہی ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں حضور! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ نے فرمایا، کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں حضور! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اصلی دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے، اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔ (تشریحی ملاحظہ فرمائیے)

تشریح..... حقیقت یہی ہے کہ تو گمراہی اور محتاجی، خوشحالی اور بد حالی کا تعلق روپیہ پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل

سے ہے، اگر دل غمی اور بے نیاز ہے، تو آدمی نچنت اور خوشحال ہے اور اگر دل حرص و طمع کا گرفتار ہے، تو دولت کے ذہیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور محتاج و پریشان حال ہے، سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور قول ہے:

تو گری بدل ست نہ بہ مال

(۲۳۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسِمِينَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ لَأَعْطَاهُمْ حَتَّى إِذَا نَفَذَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ غَيْرِ لَكُنْ أَذْخِرُهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَنْصِفْ يُعْطَهُ اللَّهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصْبِرْهُ اللَّهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ - (رواه ابو داؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دفعہ کچھ طلب کیا، آپ نے ان کو عطا فرمادیا، (لیکن ان کی مانگ ختم نہیں ہوئی) اور انہوں نے پھر طلب کیا، آپ نے پھر ان کو عطا فرمادیا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا، اور کچھ نہ رہا، آپ نے ان انصاریوں سے فرمایا، سنو! جو مال و دولت بھی میرے پاس ہو گا اور تمہیں سے آئے گا، میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (بلکہ تم کو دیتا رہوں گا، لیکن یہ بات خوب سمجھ لو، کہ اس طرح مانگ مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوش عیشی حاصل نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود غنیف بننا چاہتا ہے یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی ذلت سے اُس کو بچا دیتا ہے، اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے، یعنی اپنے کو بندوں کا محتاج اور نیاز مند بنانا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکو صبر کی توفیق دیدیتا ہے (اور صبر کی حقیقت اُسکو نصیب ہو جاتی ہے) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو، اور ان کے سامنے اس کو دست سوال دراز نہ کرنا پڑے، اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے بنانا سکیں، تو اُسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ ”کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی“۔ واقعہ یہی ہے کہ ”صبر“ دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہے، اسی لئے قرآن مجید کی آیت ”وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ“ میں صبر کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی

مقدم کیا گیا ہے۔

(۲۳۵) عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ لَأَعْطَانِي ثُمَّ قَالَ لِي يَا حَكِيمُ إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَصِصَ حُلُوْ لِمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ يُؤْرِكُ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِهْرَابِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى قَالَ حَكِيمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرَى أَحَدًا يَبْذُوكَ خَيْفًا حَتَّى أَلَارِقَ الدُّنْيَا۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مال طلب کیا، آپ نے مجھے عطا فرمادیا، میں نے پھر مانگا، آپ نے پھر عطا فرمادیا، پھر آپ نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی ٹکٹے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیر چشتی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہو گا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے۔ اور اوپر والا باتھ نیچے والے باتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور باتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے لہذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضور ﷺ کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔ (صحیح بخاری ص ۵۸۳)

تشریح..... اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو عبد کیا تھا اُس کو پھر ایسا بنا یا کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دور خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفہ اور عطیے دیے جاتے تھے) انکو بھی ملنا کہ بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔ اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت و ملامت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کے دور ملامت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۳۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّا نَحْمُ وَالشَّحَّ لِنَا مَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشَّحِّ أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ لِيَبْخُلُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَهَقَمُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْفَجْرِو لَفَجَرُوا۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ حرص و طمع سے بچو کہ جو تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو نکل

کرنے کو کہا تو انہوں نے مغل اختیار کیا اسی نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قرابت کی پامانی کے لئے کہا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کی، اس نے ان کو بدکاری کے لئے کہا تو انہوں نے بدکاریاں کیں۔
(سنن بیہقی)

تشریح..... یعنی حرص و طمع صرف ایک بُری خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

(۲۳۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرُمًا لِي رَجُلٌ شَحَّ هَالِغٌ وَ جُنُنٌ خَالِغٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ، انسان میں سب سے بُری بات کڑھانے والی حرص اور گھبراہٹ والی بزدلی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے، کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے، اسی طرح زیادہ بزدل آدمی خواہ مخواہ موبہوم خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے نصیب نہیں ہوتے، رسول اللہ ﷺ نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا، اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر و شکر

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگوار بھی ہے اور ناخوشگوار بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں، اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا نکال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے طرح طرح سے اسکی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ

یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اسکی جان نہیں گھٹتی اور مایوسی اور دل شکستگی اسکی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے کی رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

(۲۳۸) عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَخِيهِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كَمَلَّةٍ لَهْ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَخِيهِ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنَّ أَصَابَتَهُ سَرَاءٌ شَرٌّ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بندہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اُسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔ (مسلم)

ترجمہ:..... اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کیلئے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، اور کوئی ناخوشگوار یا ان کو پیش آتی ہے، تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔ اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لئے ان بندگان خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

(۲۳۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّ صَبْرْتَ وَأَخْسَبْتَ عِنْدَ الصَّلَاةِ الْأُولَى لَمْ أَزُحْ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اسکے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ:..... جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتداء میں ہی ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اُس کی تفصیل ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو

صاحبِ ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدائے تعالیٰ راضی نہ ہو گا۔ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے، برابر راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابنِ آدم جب تجھے میرے تقدیر پر حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ تو یا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہو سکے۔

ف جب کسی بندہ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کر لے، تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

(۲۴۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِي مَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ لَفَتَهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو، اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے، اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔ (ترمذی، صحیح ابی)

تشریح..... صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صارفوں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲۴۱) عَنْ أَسَمَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتْ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَنْ إِنِّي لَأُتَى لِبُضْ لَأَيُّنَا لَأَرْسَلُ بِقَرَّةِ السَّلَامِ وَ يَقُولُ إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أُعْطِيَ وَ كُلُّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى لَفَتْنَا صَبْرًا وَ لَفَتْنَا صَبْرًا لَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ نَفْسِي عَلَيْهِ لِيَأْتِيَنِي لِقَاءُ وَ مَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَ مَعَادُ بْنُ جَبَلٍ وَ أَبِي بْنُ كُحَيْبٍ وَ زَيْدُ بْنُ نَابِتٍ وَ رِجَالُ كُرُفَعِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبْرُ وَ نَفْسُهُ يَتَغَفَّقُ لِقَاءُ عِنَانِهِ لَقَالَ سَعْدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذَا لَقَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ فَإِنَّمَا يَرَحِمُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءُ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا کے بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے، اور چل چلاؤ کا وقت ہے، لہذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے اس کے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بنی اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے، اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے،

الغرض ہر چیز ہر حال میں اُسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہئے کہ تم صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی طالب بنو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اُٹھ کر چل دیئے، اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور بعض اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اُٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا، اور اس کا سانس اُٹھ رہا تھا، اُسکے حال کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا، حضرت! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ، یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔

تشریح..... حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا، اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقصد صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ اُٹھ کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاک نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔ باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبہ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہؓ نے حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب سے سوال اس لئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ دل کا یہ تاثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۴۲) عَنْ مَعَاذِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ O مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ لِيَأْتِيَا أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَمَا بَعْدُ فَأَعْظِمَ اللَّهُ لَكَ الْأَجْرَ وَاللَّهُمَّكَ الصَّبْرَ وَرَزَقْنَا وَإِيَّاكَ الشُّكْرَ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَأَمْوَالَنَا وَأَهْلَنَا مِنْ مَوَاضِعِ اللَّهِ الْهَيْئَةِ وَعَوَارِيهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللَّهُ بِهِيَ لِي غِنًى وَسُرُورٍ وَلَبَّيْهُ مِنْكَ بِأَجْرِ كَبِيرٍ، أَلْصَلُّوْهُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهَدْيُ إِنْ أَحْسَبْتَهُ لِمَاضِيرٍ وَلَا يُحِبُّ جَزَاكَ أَجْرَكَ فَتَدْمُ وَأَعْلَمُ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَزِدُّ مَيِّتًا وَلَا يَذْلَعُ حَزَنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ لَكَانَ لَكَذَلِكَ وَالسَّلَامُ" (رواه الطبرانی في الكبير والوسط)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُن کے ایک بڑے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام، میں پہنچا اُس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سوچنی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا الزکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بھلانے کا موقع دیا، اور جب اُس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اسے معاذ! صبر کرو، اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے اجر کو غارت کر دے، اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا، اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام۔ (تفسیر و تہذیب)

تشریح..... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہے، "أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَٰوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی، اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے، اور وہ ہدایت یاب ہوں گے)۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم نے ثواب اور رضاء الہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا، تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔"

ف..... رسول اللہ ﷺ کے اس تعزیت نامہ میں ہر اُس صاحب ایمان بندے کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی تشفی کا پورا سامان ہے، جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ ﷺ کی اس ایمان افروز تعزیت و نصیحت سے سکون حاصل کریں، اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنائیں۔

(۲۴۳) عَنْ أُمِّ الْلُرْدَاءِ لَالَتْ سَبْعُتْ أَبَا الْلُرْدَاءِ يَقُولُ سَبْعُتْ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَأَلْ يَأْ عَمْسَى إِلَيْنِ بَاعَتْ مِنْ بَعْدِكَ أُمَّةٌ إِذَا أَصَابَهُمْ مَا يُجْبُونَ حَمْدُوا اللَّهَ وَإِنْ أَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُونَ أَحْسَبُوا وَصَبَرُوا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ لَقَالْ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُونُ هَذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ لَأَلْ أُغِيْبُهُمْ مِنْ حِلْمِي وَعِلْمِي۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابو الدرداءؓ کی بیوی ام الدرداءؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں، مجھ سے میرے شوہر ابو الدرداءؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا، آپ بیان فرماتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے

فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبہ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و شاکرین گئے، اور جب ان پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے اُن کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے حالانکہ اُن میں (کوئی خاص درجہ کی) بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا کہ، جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی، تو اُن سے خوشحالیوں میں شکر، اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اُن کو اپنے علم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دوں گا۔

(شعب الایمان للعلینی)

تشریح..... مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعت اور خوشحالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَخُلِقَ هَلُوًّا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا" اب اگر کسی امت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شاکر ہو، تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے، اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے، رسول اللہ ﷺ کے عام صحابہ اور قرون مابعد کے صلحاء و مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، اور اُن کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اُس نے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرے ان بندوں کو عطا فرمادیئے ہیں، اور یہ صبر و شکر اُسی کے ثمرات ہیں۔ جس طرح اس امت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انہوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اُس کی تکمیل اُن کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے، اور اُس کے نتیجہ میں ایک ایسی امت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم و حلم سے وہ بہرہ و یاب ہوگی۔

توکل اور رضا بالقضنا

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کا رخانہ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں اُن کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح عالم وجود میں کار فرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کار فرما اور

مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے امید یا خوف ہونا اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرز عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکل ہے۔ توکل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکل کیلئے لازم نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاءؐ اور آپ کے صحابہ کرامؓ اور ہر دور کے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کا رخ نہ ہستی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک ذریعہ ہی جانتے تھے، اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ اگر چاہتے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترک اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کیلئے شرط ہے، ہاں اگر غلبہ حال سے اللہ کا کوئی صاحب یقین بندہ ترک اسباب کر دے تو قابل اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہی کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لئے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لئے یاد دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کیلئے کوئی بندہ خدا ترک اسباب کا رویہ اختیار کر لے، تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی، اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح و ثناء کی گئی ہے، اور بلاشبہ یہ توکل ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے، جس کو توکل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں ہے۔

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالتقصا کا مقام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر جو بھی اچھے یا بُرے احوال آئیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجے والا میرا مالک ہی ہے، اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے، اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو، کہ :

مِرْجُو دُوسْتِ مِیْرَسِدِ نِکُو سَتِ

ان تمہیدی سطروں کے بعد توکل اور رضا بالتقصا کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں پڑھئے:

(۶۴۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ أَمِنَ سَبْعُونَ

أَلْفَا بَغِيرِ حِسَابٍ هُمْ الدِّينَ لَا يَنْتَرِفُونَ وَلَا يَنْتَكِرُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے وہ، وہندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، اور شگون بد نہیں لیتے، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ..... اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کیلئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابلِ اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے، تو اُس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے، اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہمار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون بُرا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا، اس لئے پھر اس کو نہیں کرتے تھے، الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی، اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لئے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگون بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے، اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، لہذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کار فرما اور موثر اسباب نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے، لہذا کسی مقصد کیلئے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگانِ خدا ہوں گے جنہوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگون بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگون بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کار فرما اور موثر سمجھنے کے سبب سے اُس اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کیلئے اپنی حکمت

سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے اُن کا ترک کر دینا توکل کا مقتضی نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اور شریعت نے جن کو نعت قرار دیا ہے۔^۱

البتہ توکل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو، اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرز عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتائی گئی ہے، یہ تعداد صرف اُن کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ کا اہل میں مستحق ہوں گے، ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک چشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

(۲۴۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَمَّا سَمِعَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقْنَاكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرُ تَغْدُو حِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو جھوکے اپنے اشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم ہر روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کریں، جیسا کہ انہیں کرنا چاہئے تو اللہ کا معاملہ اُن کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہے کہ

۱ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ الباقہ" میں اس حدیث کو توکل ہی کے بیان میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اقول انما وصفهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بهذا (ای بقولہ ہم الذین لا یسترقون ولا یطیرون الخ) اعلاماً بان اثر التوکل ترک الاسباب الی نہی الشرع عنها لا ترک الاسباب الی سنہا اللہ تعالیٰ لعبادہ (حجۃ الباقہ ص ۵۲ ج ۲)

انہیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقل و حرکت سے روزی مل جاتی ہے، صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے، اور انہیں زیادہ کد و کاش نہ اٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اٹھانی پڑتی ہے۔

(۲۴۶) عَنْ عُمَرَوْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِقَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً لَمَنْ اتَّبَعَ قَلْبُهُ الشَّعْبَ كُفَّهَا لَمْ يَبَالِ اللَّهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ كَفَّاهُ الشَّعْبَ - (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے دل کیلئے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا، اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو پروا نہ ہوگی، کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی حاجتیں اسکے سپرد کر دے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنادے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کیلئے کفایت کریگا (اور اس کو دل کے اطمینان و سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے)۔

تشریح:..... حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور اس پر توکل اور اعتماد کرے، اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کیلئے کافی ہو گا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

(۲۴۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَلَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجْعَلَهُ بِجَاهِكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ لَدُنْ حُكْمِهِ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ لَدُنْ حُكْمِهِ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتْ الْأَقْلَامُ وَجَلَّتِ الصُّنُفُ - (رواہ احمد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا، اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگتا چاہے تو بس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تومہ دکا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو

دل میں بٹھالے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور مجبور چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچے تو صرف اسی چیز سے تجھ کو نفع پہنچ سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر دی ہے، اس کے سوا کسی چیز سے نہیں اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی چیز سے نقصان پہنچ سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکے گا، اٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے۔

(۱) (نہادہ: وہابی ترجمہ)

تشریح..... حدیث کا مطلب و منشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یاد دے یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لئے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے۔ لہذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لئے اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمایگا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ ”تقدیر کا مطلب کیا ہے، اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہے، اس لئے اس شبہ اور سو سے کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو اس بارے میں خلجان ہو تو معارف الحدیث حصہ اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

۲۴۸ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ حَسْبِي يَفْرِيكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَيَبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلَيْسَ حَسْبِي يَفْرِيكُمْ مِنَ النَّارِ وَيَبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَإِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينَ (وَلَهُ زَوَايَا وَإِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ لِي زَوْعِي أَنْ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَحْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاجْعَلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلْكُمْ اسْتِطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللَّهِ فَإِنَّهُ لَا يُدْرِكُ مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنة والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم تم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے

منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین نے اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متفلس اس وقت تک نہیں مرتاجب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے) لہذا اے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاشِ رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور ناشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت گزاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(شرح ابن کثیر، شعب الایمان، لمعتی)

تشہد..... حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے، رسول اللہ ﷺ اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امین نے اُس وقت آپ کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اپنے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی، جس کا حاصل یہ ہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے، وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہے تو آدمی کو چاہئے کہ اگر روزی میں کچھ ٹٹلی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور بس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اسکے حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ کا فضل و انعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہی کے راستہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ جھگڑی میں مبتلا ہے اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کیلئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سوئے والے شخص کی کوئی چیز اٹھا لے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کر لے، ایسے وقت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کر رہے گی، پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور

اپنی روح کو ناپاک، اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو، حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

(۲۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَىٰ أَهْلِهِ فَلَمَّا رَأَىٰ مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِيَّةِ فَلَمَّا رَأَتْ أَمْرَهُ لَامَتْ إِلَى الرَّحَىٰ فَوَضَعَهَا إِلَى الثُّورِ فَسَبَحَتْهُ ثُمَّ كَالَتْ أَلْهَمُ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ لِذَا الْجَفْنَةِ لَدَى امْتَلَأَتْ لَالٌ وَذَهَبَتْ إِلَى الثُّورِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ لَرَجَعَ الزُّوجُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِي خَيْتًا كَالْتِ أَمْرَهُ نَعَمْ مِنْ رَبَّنَا وَقَامَ إِلَى الرَّحَىٰ فَلَاكَ إِلَيْكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَانِ أَمَا اللَّهُ لَوْ لَمْ يَرْفَعَهَا لَمْ تَزَلْ تَدُورُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا جب اس نے ان کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاج کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کیلئے) جنگل کی طرف چل دیا، جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کیلئے گئے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اس نے تیاری شروع کر دی وہ اٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا (تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جاسکے) پھر وہ تور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آتا ہی جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اس نے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک ہمیں رزق دے۔ اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرد گرد آئے کے لئے جو جگہ بنی ہوئی ہے (جس کو چکی کا گرائڈ اور کہیں کہیں چکی کی بھر بھی کہتے ہیں) وہ آئے سے بھری ہوئی ہے، پھر وہ تور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں) اس کے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہ راست خزانہ غیب سے اس طرح ملا ہے) یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھا کر دیکھا یعنی تعجب اور شوق میں غالباً اس کا پاٹ اٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر یہ اسکو اٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آنا نکلتا رہتا۔ (مشہد احمد)

تشریح..... اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے، اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کیلئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے، اور اگر انکے کسی متبع امتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو، تو اسکو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارق عادت طریقہ سے ان کیلئے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آنا آگیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے نا آشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وسوسے پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے، اُن کے لئے تو ایسے واقعات میں کوئی اچھبے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے ”وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ (سورہ بلاق) اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کیلئے اور اس کے کام بنانے کیلئے کافی ہے۔

۲۰۰) عَنْ سَعْدِ بْنِ قَالٍ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا لَفَضَى اللَّهُ لَهُ وَمِنْ حَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا لَفَضَى اللَّهُ لَهُ۔

(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے جو فیصلہ ہو وہ اُس پر راضی رہے، اور آدمی کی بد بختی اور بد نصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بد نصیبی اور بد بختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اُس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے موقع پر بندہ کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف بالعباد یقین کرتے ہوئے اُسکے فیصلہ پر راضی رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ”عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے بہتری ہو، اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے، اور تم بے خبر ہو)

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دنا کرے کہ اس کے نزدیک بندہ کیلئے جو خیر ہو اُسی کا اس کیلئے فیصلہ کیا جائے حضور نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بد نصیبی اور بد بختی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بد بختی اور بد نصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضا و قدر اور اس کے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو۔

ظاہر ہے کہ ”رضا باتنہا“ کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اُن

صفات کمال و جمال پر پورا پورا ایمان و یقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہیں، اور پھر اس معرفت اور اس ایمان و یقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں رچ بس گئی ہو۔ ایمان و محبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدایہ ہوتی ہے۔
زندہ کئی عطاے تو دور بکشی فدائے تو دل شدہ بتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اخلاص و للہیت اور نام و نمود

رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانی دنیا کو اخلاقِ حسنہ کی جو تعلیم و ہدایت ملی ہے، اس عاجز کے نزدیک اُس کی تکمیل اخلاص و للہیت کی تعلیم سے ہوتی ہے۔ یعنی اخلاص و للہیت کتابِ اخلاق کا آخری حکمیلی سبق اور روحانی و اخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے۔

اس اخلاص و للہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس لئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق و پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ تمام اچھے اعمال و اخلاق کی روح اور جان یہی اخلاصِ نیت ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال و اخلاق اس سے خالی ہوں اور اُن کا مقصد رضائے الہی نہ ہو، بلکہ نام و نمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک انکی کوئی قیمت نہیں اور اُن پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقی حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب و مقصود ہونا چاہئے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال و اخلاق سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اخروی ثواب کا ارادہ بھی کیا گیا ہو، اور وہی ان کیلئے اصل محرک ہو۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے، اپنے معاملات میں خود ہمارا بھی یہی اصول ہے۔ فرض کیجئے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے، آپ کو ہر طرح آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن پھر کسی ذریعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اُسے آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں ہے، بلکہ اُس کا یہ برتاؤ اپنی فلاں ذاتی غرض کے لئے ہے، یا آپ کے کسی دوست یا عزیز قریب سے وہ اپنا کوئی کام نکالنا چاہتا ہے اور صرف اس کے دکھاوے کیلئے آپ کے ساتھ اُس کا یہ برتاؤ ہے، تو پھر آپ کے دل میں اُس کی اور اس کے اس برتاؤ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ بس یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے، فرق اتنا ہے کہ ہم دوسروں کے دلوں کا حال نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ سب کے دلوں اور انکی نیتوں کا حال جانتا ہے، پس اُس کے جن بندوں کا یہ حال ہے کہ وہ اُس کی خوشنودی اور رحمت کی طلب میں اچھے اعمال کرتے ہیں وہ ان کے ان اعمال کو قبول کر کے ان سے راضی ہوتا ہے اور ان پر رحمتیں نازل کرتا ہے، اور آخرت جو دارالجزا ہے اس میں اُس کی اس رضا اور رحمت کا پورا غلبہ ہو گا۔ اور جو لوگ اچھے اعمال و اخلاق کا مظاہرہ دنیا والوں کی داد و تحسین اور نیک نامی و شہرت طلبی کیلئے یا ایسے ہی دوسرے اغراض و مقاصد کیلئے کرتے ہیں اُن کو یہ دوسرے مقاصد چاہے دنیا میں حاصل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور رحمت سے محروم رہیں

گئے، اور ان کی اس محرومی کا پورا پورا ظہور بھی آخرت میں ہی ہوگا۔

اس باب میں اصل بنیاد تو رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ”انما الاعمال بالنيات“ الحدیث ہے، جو حصہ اول کے بالکل شروع میں درج ہو چکی ہے اور وہیں اس کی تشریح بھی بسط و تفصیل سے کی جا چکی ہے، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، اب اس کے علاوہ اس سلسلہ کی دوسری چند حدیثیں یہاں درج کی جا رہی ہیں، اور ان ہی حدیثوں پر یہ جلد دوم ختم ہو رہی ہے۔

(۲۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرِكُمْ وَ
أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى لُزْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔“ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل و صورت یا اس کی دولت مندی نہیں ہے، بلکہ دل کی درستی اور نیک کرداری ہے، وہ کسی بندے کیلئے رضا اور رحمت کا فیصلہ اس کی شکل و صورت یا اس کی دولت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ اس کے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔

بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں بجائے مذکورہ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صَوْرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى لُزْبِكُمْ۔

(جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں اور تمہارے صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کیلئے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دار و مدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے، پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو، اور اس کی نیت درست نہ ہو، تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اخلاص کی برکت اور تاثیر و طاقت

(۲۵۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةٌ نَفَرٍ يَتَمَشَّوْنَ أَخَذَ هُمُ
الْمَطَرُ لَمَّا لَوْا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ لَانْحَطَّتْ عَلَى لِمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ لَأَطْبَقَتْ
عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا لِلَّهِ صَالِحَةً لَأَذْعُرَا اللَّهَ بِهَا لَعَلَّهُ
يُقَرِّجَهَا فَقَالَ أَحَدُهُم االلَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَلَدَانِ فَيَحْنَانِ كَبِيرَانِ وَلِي صَبِيَّةٌ صَغَارٌ كُنْتُ
أَرْعَى عَلَيْهِمْ لَإِذَا رَحْتُ عَلَيْهِمْ لَحَلْتُ بِذَاتِ بَوَالِدَيَّ أَسْقِيهِمَا لَبَلٌ وَلِدَيَّ وَأَنَّهُ لَذَنَائِي

بِی السَّجَرِ لَمَّا أَتَيْتُ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا لَدَا نَامَا لَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَخْلُبُ
لَحَبْتُ بِالْحَلَابِ لَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أَوْفَظَهُمَا أَكْرَهُ أَنْ أَبْذَا بِالصَّبِيَّةِ فَلَهُمَا
وَالصَّبِيَّةُ يَتَضَاغُونَ عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ ذَائِبِي وَذَائِبُهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ لِأَنْ كُنْتُ
تَعْلَمُ إِلَى لَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَالْفَرْجُ لَنَا لُزْجَةٌ نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ لَفَرَجَ اللَّهُ لَهُمْ
حَتَّى يَرَوْنَ السَّمَاءَ قَالَ الْغَالِي اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ أُحِبُّهَا كَأَخِي مَا يُحِبُّ
الرِّجَالُ النِّسَاءَ لَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا فَابَتْ حَتَّى ابْتِغَاءَ بِمَا لَيْتَ دِينَارٍ لَسَعَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ
مِائَةَ دِينَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا لَلَّمَا لَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللَّهِ ابْتِغَاءَ اللَّهِ وَلَا تَفْطَحِ الْخَاتَمَ
لَقُمْتُ عَنْهَا اللَّهُمَّ لِأَنْ كُنْتُ تَعْلَمُ إِلَى لَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَأَخْرَجَ لَنَا مِنْهَا لَفَرَجَ
لَهُمْ لُزْجَةٌ وَقَالَ الْأَعْمَرُ اللَّهُمَّ إِلَى كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرْقٍ أَرْزَلَلَمَا لَفَضَى عَمَلَهُ قَالَ
أَعْطِنِي حَقِّي لَفَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقِّي لَفَرَضْتُ وَرَغِبَ عَنْهُ لَلَّمْ أَرْزَلْ أَرْزَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ
بَقَرًا وَرَاعِيَهَا لَحَاجَّ لِي فَقَالَ ابْتِغَاءَ اللَّهِ وَلَا تَطْلِمْنِي وَأَعْطِنِي حَقِّي لَقُلْتُ إِذْهَبْ إِلَى ابْتِغَاءِ
وَرَاعِيَهَا لَقَالَ ابْتِغَاءَ اللَّهِ وَلَا تَهْزَأْ بِي لَقُلْتُ لِي لَا أَهْزَأُ بِكَ لَعُدَّ ذَلِكَ الْبَقَرُ وَرَاعِيَهَا
لَاغَدَهُ لَانْطَلَقَ بِهَا لِأَنْ كُنْتُ تَعْلَمُ إِلَى لَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَالْفَرْجُ مَا بَقِيَ لَفَرَجَ
اللَّهُ عَنْهُمْ - (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، ”تین آدمی کہیں
چلے جا رہے تھے کہ اُن کو مینہ (بارش) نے آلیا، دو پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے، پہاڑ سے غار کے منہ پر
ایک پتھر کی چٹان آ پڑی اور غار کو بند کر دیا، تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا، اپنے اُن نیک
عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کیلئے کئے ہوں، اور اُس عمل کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگو، امید
ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور کر دے۔ ایک نے ان میں سے کہا اے اللہ! میرے
ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے، میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ
ان سب کو پلاؤں جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دو جتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر
بچوں کو دیتا، ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دُور لے گئے (یعنی بکریوں کو چرا تا چراتا
میں دور نکل گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آ سکا یہاں تک کہ شام ہو گئی، جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ
میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں، میں نے حسب معمول دودھ دو پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ
کے پاس پہنچا، اور اُن کے سر ہانے کھڑا ہو گیا، مجھ کو اُن کو جگانا بھی بُرا معلوم ہوا، اور یہ بھی کہ ماں باپ
سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں، بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے، اور
میں دودھ لئے کھڑا تھا، صبح تک یہی کیفیت رہی، یعنی میں دودھ لئے کھڑا رہا، اور بچے روتے رہے، اور
ماں باپ پڑے سوتے رہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا مندی اور
خوشنودی کیلئے کیا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر

کو اتنا بنادیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی، میں اُس سے انتہائی محبت رکھتا تھا، ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے، میں نے اُس سے جماع کی خواہش ظاہر کی، اُس نے کہا کہ جب تک سواشرنی نہ دو گے ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے کوشش شروع کی، اور سواشر فیاں جمع کر لیں، اور اُن کو لیکر میں اُس کے پاس پہنچا، پھر جب میں اُس کی دونوں ناگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کیلئے) تو اُس نے کہا کہ اے خدا کے بندے خدا سے ڈر اور مہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا (یعنی اُس سے جماع نہیں کیا) اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری رضا مندی اور خوشنودی کیلئے تھا تو اس پتھر کو بنادے اور ہمارے لئے راستہ کھول دے، خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور بنادیا۔ تیسرے شخص نے کہا اے اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا، ایک فرق (پیانہ) چاول کے معاوضہ پر، جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دلو ایسے؟ میں اُسکی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا، اور پھر اپنے حق کو لینے کیلئے نہ آیا، تو میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کر دی، اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ اُن چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے نیل اور اُن کے چرواہے جمع کر لئے۔ پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا، خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر، اور میرا حق میرے حوالہ کر، میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے) اُس نے کہا خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا، ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا، یہ سب تیرے ہی ہیں، چنانچہ اُس نے اُن سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہی فعل محض تیری خوشنودی اور رضا مندی کے لئے تھا، تو تو اس پتھر کو بالکل بنادے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو بنادیا اور راستہ کھول دیا۔

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے، بظاہر یہ کسی اگلے پیغمبر کے امتی تھے، حضور ﷺ نے اپنی امت کو سبق آموزی کیلئے اس قصہ کو بیان فرمایا۔ اس واقعہ میں اللہ کے ان بندوں نے اپنے جن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش کر کے اُس سے دعا کی ہے اُن کی چند خصوصیتیں قابلِ لحاظ ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا حدیث میں صراحتاً ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں عمل صرف اللہ کی رضا جوئی میں کئے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بنا پر ان بندوں نے اللہ کے حضور میں ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تینوں عمل اللہ کے حکم و مرضی کے مقابلے میں اپنے نفس کی چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔ ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدہ نفس کتنا سخت ہے، دن بھر وہ جانوروں کو جنگل میں چراتا رہا ہے، اور شام کو دیر سے تھکا ہارا آیا ہے، قدرتی طور پر اس کا جی سونے کو بے حد چاہتا ہوگا۔ بلکہ وہ سونے کیلئے مضطر اور بے قرار ہوگا، لیکن چونکہ ماں باپ بلا دودھ پئے سو گئے تھے، اور یہ اللہ

کی رضا اسی میں سمجھتا تھا کہ جس وقت نیند سے اُگی آنکھ کھلے، یہ اُن کو دودھ پلا دے، اسلئے یہ شخص رات بھر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے ان کے سر ہانے کھڑا رہا اور پھر اس کے بچے اسکے قدموں میں پڑے جوک سے روتے چلاتے رہے، لیکن اس نے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بوڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو بھی دودھ نہ پلایا، یہاں تک کہ اسی حال میں صبح ہو گئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے ایک جوان ایک لڑکی سے عشق رکھتا ہے اور جب ایک بیش قرار رقم ملے ہو جاتی ہے، اور کسی طرح وہ رقم مہیا کر کے اس کو دے بھی دیتا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا اُسے پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی، تو ٹھیک اُس وقت اللہ کا نام بیچ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کئے بغیر اللہ سے ڈر کر اور اسکی رضا طلبی میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہر نفس رکھنے والا انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتنا سخت مجاہدہ ہے، اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہش نفس قربان کرنے کی یہ کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے۔ ایک مزدور کے چند سیر چاول ایک شخص کے پاس رہ گئے اُس نے انہی چاولوں کو اپنی زمین میں بودیا، پھر جو پیداوار ہوئی اس کو اُس نے اُسی مزدور کی ملکیت قرار دے کر اُسی کے حساب میں اُس کو لگا تا اور بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اس سے اتنی دولت فراہم ہو گئی کہ جانوروں کا ایک ریوڑ کار یوڑ ہو گیا۔ پھر جب کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس امانت دار اور نیک کردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خود اس کی اپنی محنت اور توجہ سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اُس مزدور کے حوالہ کر دی، ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اُس وقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالے ہوں گے، اور اپنے نفس کی یہ کتنی شدید خواہش ہوگی کہ یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے، اور جس کا اُس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے، اس کو اپنے ہی پاس رکھا جائے لیکن اللہ کے اس بندے نے رضاء الہی کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو قربان کیا اور وہ ساری دولت اس بے چارے مزدور کے حوالے کر دی۔

اسی طرح ان تینوں عملوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اصطلاحی اور عربی عبارت نہیں ہے، بلکہ ایک کا تعلق بابِ معاشرت سے ہے، ایک کا بابِ معاملات سے اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندہ نے خدا سے ڈر کر اور اس کی رضا جوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اُس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اُس نے فراہم کر لئے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نیک عمل کے متعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ اخلاص کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُس کو پیش کر سکتا ہے۔

ریا ایک درجہ شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے

اخلاص وللہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ریا و سمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔

(۲۵۳) عَنْ خَلَادِ ابْنِ أَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلِّيٍّ يُرَائِي لَفَذٍ أَخْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي لَفَذٍ أَخْرَكَ وَمَنْ تَصَلَّى يُرَائِي لَفَذٍ أَخْرَكَ - (رواہ احمد)

ترجمہ۔ شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے، جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کیلئے صدقہ خیرات کیا اُس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

تشریح..... حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، یہ وہ ”شرک“ حقیقی اور ”شرک“ جلی“ اور ”شرک“ کبر“ ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے، اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کے شرک نہیں ہیں لیکن اُن میں اس شرک کا تھوڑا بہت مشابہ ہے، اُن ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرے، یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار اور نیکو کار سمجھیں اور اس کے معتقد ہو جائیں، اسی کو ریا کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو ”شرک“ حقیقی اور حدیث میں ”شرک اصغر“ کہا گیا ہے (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں)۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کیلئے اور انکی نظروں میں معزز و محترم بننے کیلئے یا اُن سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا شرک ہی ہو گا، اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہو گا۔

(۲۵۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ فَقَالَ أَلَا أُغَيِّرُكُمْ بِمَا هُوَ أَعْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ فَقُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الشِّرْكُ الْغَنِيُّ أَنَّ يَتْلُوَ الرَّجُلُ يُصَلِّيَ لِقُرْبَةٍ صَلَواتُهُ لِمَا يَرَى مِنْ تَكْرُرِ رَجُلٍ - (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (اپنے حجرہ مبارک

(سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اُس وقت ہم لوگ آپس میں صبح و جہاں کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے ہم سے فرمایا، کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے، ہم نے عرض کیا، حضور! ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے! آپ نے فرمایا، وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو اس لئے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجال جس کھلے شرک و کفر کی دعوت دے گا اور جس کیلئے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کیلئے آمادہ ہوگا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو، بلکہ خفی قسم کا شرک ہو، جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز اس لئے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ایسا ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ نے فرمایا، یہ تو اطمینان ہے کہ میرے امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے، لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریواۓ شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

(۲۵۵) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ أَخَوْتُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ الشِّرْكَ الْأَصْفَرَ فَالْوَيْلُ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ وَمَا الشِّرْكَ الْأَصْفَرُ؟ قَالَ الْبَتَاءُ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ..... محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ”شِرْكَ الْأَصْفَرُ“ کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ”شِرْكَ الْأَصْفَرُ“ کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرنا)۔ (سنن احمد)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا اصل مقصد و نشاء اپنے امتوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں، اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا

(۲۵۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّا أَنْغَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ لَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا آخَرَ لَهُ مِثْلُ مَا فِي غَيْرِهِ تَرْتَحُّهُ وَجِزْمَةٌ — وَلِي رِوَايَةٌ لَنَا مِنْهُ بِهَوْنٍ هُوَ لِلْبَيْتِ عَمَلَةٌ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

کہ میں شرک اور شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرک پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرک منظور کر لیتے ہیں، اسی طرح میں راضی نہیں ہوتا، اور کسی کی لوثی شرک گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرک سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور سے بھی کچھ شریک کرے (یعنی اس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور کو بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو مقصد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اُس کے شریک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُس سے بیزار اور بے تعلق ہوں، وہ عمل (میرے لئے بالکل نہیں بلکہ) صرف اس دوسرے کیلئے ہے جس کیلئے اُس نے کیا (یعنی جس کو اُس نے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

(۲۵۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ أَبِي لُحَيْصَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَإِذَا جَمَعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِيَوْمٍ لَا رَبَّ لَهُ نَادَى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَخَذَ فَلْيُطْلَبَ قَوَاتِهِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَخْفَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ - (رواہ احمد)

ترجمہ ابو سعید بن ابی فضالہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا، کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اُس نے اللہ کیلئے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اُس کا ثواب اسی دوسرے سے جا کر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

تشریح..... دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اُس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اُس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو، اور اس کے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اُس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاؤ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو ان اعمال کا ہے جو اللہ کیلئے کئے جائیں لیکن نیت میں پورا خلوص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاؤ ہو لیکن جو ”نیک اعمال“ محض ریاکارانہ طور پر کئے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر ماردیئے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ریاکاروں کو فضیلت اور رسوائی کی سزا

(۲۵۸) عَنْ جُنْدُبٍ لَّانَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ سَمْعَ اللَّهِ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي مُرَائِي اللَّهِ بِهِ - (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ:..... مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا ان کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ ان کی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بد بخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے تھے، بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کیلئے کیا کرتے تھے۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سر محشر ان کی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو انکی بد باطنی دکھاوی جائیگی۔ اللہم احفظنا!

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

(۲۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَّانَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِي أَحْمَرِ الزَّمَانِ رَجَالٌ يَنْحَلُّونَ اللَّيْثَا بِاللَّيْثِ يَنْبُسُونَ لِلنَّاسِ جُلُودَ الْعُضَا مِنَ اللَّيْثِ أَلَسْتُمْ أَهْلِي مِنَ السُّكْرَةِ لِلْوَبْهِمِ لِلْوَبِّ الدِّيَابِ يَقُولُ اللَّهُ أَهْلِي يَفْتَرُونَ أَمْ عَلَىٰ يَجْعَرُونَ لَيْسَ خَلْفَتِي لَا تَعْنَنَ عَلَيَّ أُولَئِكَ مِنْهُمْ فَتَنَةٌ فَتَنُ الْحَلِيمِ فِيهِمْ حَمْرَانِ - (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کیلئے بھیڑیوں کی کھال کا لباس پہنیں گے، انکی زبانیں شکر سے زیادہ مینھی ہوں گی، مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے، (انکے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نذر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان کے عقلمندوں اور دانشمندیوں کو بھی حیران بنائے چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ:..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس ان خاصانِ خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کر کے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے، اور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

ریاکار عابدوں اور عالموں کو جہنم کا سخت ترین عذاب

(۲۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوُّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! لَأَلْزَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادِي جَهَنَّمَ يَتَعَوَّدُ مِنْهُ جَهَنَّمَ كُلُّ يَوْمٍ أَرْبَعِ مِائَةِ مَرَّةٍ. لَيْلِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ يَنْدُ خُلُفَهَا؟ قَالَ الْقُرَاءُ الْمُرَاوُنُ بِأَعْمَالِهِمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ ”جُبِّ الْحُزْنِ“ (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، حضرت! جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا برا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اُس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! اُس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا، وہ بڑے عبادت گذار اور یا وہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کیلئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... جہنم کے اس خندق جب الحزن میں ڈالے جانے والوں کیلئے رسول اللہ ﷺ نے ”القرآن“ کا لفظ بولا ہے، اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں پس حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھوٹے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادت گذار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے اُن کی یہ ساری دینداری اور عبادت گذاری ریاکارانہ ہوگی۔

قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد،

ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارہ میں کیا جائے گا

(۲۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُفْعَلُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْيَوْمَةِ وَجَلُّ اسْتُغْفِدَ لَأَنِّي بِهِ لَعْنَةُ بَعْمَةَ لَعْنَتُهَا لَقَالَ لِمَا عَمِلْتُ فِيهَا؟ قَالَ لَأَتْلُكَ فِيكَ حَتَّى اسْتُغْفِدَتْ لَأَن كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ لَأَتْلُكَ لِأَن يُقَالَ جَرِي لَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أَمَرَ بِهِ لَسُجِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أَلْقَى فِي النَّارِ وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلِمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ لَأَنِّي بِهِ لَعْنَةُ بَعْمَةَ لَعْنَتُهَا لَأَن لِمَا عَمِلْتُ فِيهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلِمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، لَأَن كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ لَارِي لَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ لَسُجِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أَلْقَى فِي النَّارِ، وَ رَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُذِّبَ لَأَنِّي بِهِ لَعْنَةُ بَعْمَةَ لَعْنَتُهَا لَأَن لِمَا عَمِلْتُ فِيهَا لَأَن مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ لَعَلْتُ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ لَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ

لَسُبَّ بِهٖ عَلٰی وَجْهِهٖ ثُمَّ اَلْقٰی لَی النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا، یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا، پھر خداوند تعالیٰ اُس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اس لئے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہوئے، پھر اُس کیلئے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی کیساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا، اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا، بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کیلئے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوند! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کیلئے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی، تو نے تو علم دین اس لئے حاصل کیا تھا، اور قرآن تو اسلئے پڑھتا تھا تاکہ تجھ کو عالم و قاری اور عابد کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا، پھر اُس کیلئے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ عرض کرے گا خداوند! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال اُن سب ہی میں خرچ کیا ہے، اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا، اور حقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو بخشنے مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور دلاؤدہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا، اور دنیا میں) تیری فیاضی اور دلاؤدہش کے چرچے خوب ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (تجہ مسلم)

تشریح..... العظمتہ اللہ! کس قدر لرزادینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے، اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے، یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور راہِ خدا میں جانی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں، اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کیلئے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کیلئے کئے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کیلئے کیا جائے گا، اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ (لہذا احتفظ!)

اعمالِ صالحہ کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت، اللہ کی ایک نعمت ہے

۲۶۲ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَفْعَلُ الْفَعْلَ مِنَ الْغَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ - وَلِي زَوَايَا وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ - قَالَ بَلْكَ عَاجِلٌ بُشْرَى الْمُؤْمِنِينَ - (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے، ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا، یہ تو مؤمنینہ کی نقدِ بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... راہِ اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا قسم کے ارشادات نے صحابہ کرامؓ کو اتنا ڈرایا تھا کہ اُن میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا چرچا ہو، اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں، تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ ہی مل گیا۔ اسی کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا "بَلْكَ عَاجِلٌ بُشْرَى الْمُؤْمِنِينَ" جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عملی کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اُس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقدِ صلہ اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا (تاکہ خدا نخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ و استغفار کیا جائے) آپ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خود کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صالحہ اخلاص کیساتھ اللہ ہی کیلئے کئے جائیں، لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اُس کو اس سے خوشی ہو، تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اسکی اقتدا لکریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہو گا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا، بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقتِ اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریاسمہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ اللہم آمین۔

..... حصہ دوم ختم ہو گیا

قَالَ حَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَعَثَ فِيهِ رَسُولَهُ وَجَلَّ لَهُ تَعَالَى